عقائد و نظریات کو قرآنی تناظر میں سمجھانے والی کنز المدارس بورڈ کے
نصاب میں شامل اردو زبان میں ایک اصولی کتاب

بنام

اَلْاِمْعَان فِیْ فَھْمِ الْقُرْآن

فہم قرآن کے ضابطے

سوالاً جواباً اسائنمنٹ

The rules of understanding the glorious Qur'aan

مرتب
محمد افضل رضا عطاری باب الاسلام سندھ

شعبہ
فیضان آن لائن اکیڈمی
03085563948
دعوتِ اسلامی زندہ آباد

فہم قرآن کے ضابطے

سوالاً جواباً اسائنمنٹ

مرتب: محمد افضل رضا عطاری باب الاِسلام سندھ

شعبہ : (جامعۃ المدینہ آن لائن بوائز فیضان آن لائن اکیڈمی)

مزید کتب کے اسائنمنٹ کے لیے ہمارا واٹس ایپ اور انسٹاگرام گروپ جوائن فرمائیں

WhatsApp Number: 03085563948

﴾ بسم اللہ الرحمن الرحیم ﴿

(مقدمۃ الکتاب)

سوال: فہم قرآن کی مبادیات کا خلاصہ بیان کیجیے۔

جواب: فہمِ قرآن کے لیے بنیادی شرط عربیت کا گہرا ذوق ہے۔ صرف عربی سیکھ کر ترجمہ کرنا کافی نہیں، بلکہ ایسی مہارت اور فہم ضروری ہے جس سے عربی کلام سن کر ویسی ہی لذت محسوس ہو جیسے اپنی مادری زبان سے ہوتی ہے۔ اگر یہ ذوق حاصل نہ ہو تو انسان کو چاہیے کہ معتبر ائمہ اور مفسرین پر اعتماد کرے اور اپنی رائے سے تفسیر کرنے کی کوشش نہ کرے۔فہم قرآن کے لیے ذوقِ قرآن یعنی قرآن پاک سے قلبی لگاؤ ہونا بھی ضروری ہے،فہم قرآن کا شوق رکھنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ روحانی اعتبار سے اس قابل ہو کہ کلام الہی سن کر اس کا اثر قبول کر سکے ،فہم قرآن کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ محض ایک آیت کے کسی خاص کلمے کو دیکھ کر کوئی نتیجہ اخذ نہ کیا جائے بلکہ قرآن پاک کا بغور مطالعہ کیا جائے اور مختلف مقامات پر اس کلمہ کو دیکھا جائے کہ وہ کن کن معانی میں مذکور ہے ؟ اور زیر نظر آیت میں جو معنی لیا جارہا ہے وہاں وہ معنی و مفہوم درست بن رہا ہے یا نہیں؟ نیز یہ معنی لینے سے قرآن پاک کی کسی دوسری آیت کی مخالفت تو لازم نہیں آرہی؟ تاکہ قرآن کے اس کلمہ میں بیان کردہ مفہوم کو خوب اچھی طرح سمجھ کر درست نتیجہ حاصل ہو۔

سوال: "آیت یسر" میں قرآن کے آسان ہونے کا کیا مطلب ہے ؟

جواب: اس آیت مبارکہ میں قرآن پاک کے آسان ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا پاک کلام اس کے اولین مخاطبین کی مادری زبان یعنی عربی میں نازل فرما کر آسان کر دیا ہے وہ اسے بآسانی پڑھ سکتے ہیں، اس کو یاد کر سکتے ہیں اور اس میں بیان کی گئی نصیحت ، وعدہ و وعید کو سمجھ سکتے ہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کا احسان تو یہ ہے کہ اس نے اپنے کلام کے تلفظ کو اتنا آسان کر دیا ہے کہ عجمی شخص بھی معمولی کوشش کے بعد آرام سے قرآن پڑھ سکتا ہے اور اس کو یاد کر سکتا ہے، اتنا ہی نہیں، اس کے درست ترجمہ کو پڑھ کر اس کے مواعظ و نصیحت اور وعدہ و وعید کو بھی سمجھ سکتا ہے۔

سوال: قرآن پاک سے ہدایت و راہ نمائی لینے کے لیے امت میں کیا طریقہ رائج ہے ؟

جواب:سب سے پہلے تو قرآن کو پہلے خود قرآن سے سمجھا جائے گا جس کو "**تفسیر قرآن بالقرآن**" کہتے ہیں یا پھر قرآن کو حدیث کے ذریعے سمجھا جائے گا جس کو "**تفسیر قرآن بالحدیث**" سے تعبیر کیا جاتا ہے یا پھر قرآن کی تشریح صحابہ کرام کے اقوال و آثار سے لی جائے گی جس کو "**تفسیر قرآن بآثار الصحابہ**" کہا جاتا ہے، اور اگر کسی مسئلے کا حل ان تینوں میں نہ ملے تو پھر "**تفسیر بالدرایہ**" کی طرف جایا جائے گا، جو از خود ایک نازک ترین مرحلہ ہے۔

سوال: اصطلاح کی تعریف اور اہمیت بیان کیجیے نیز اصطلاحات قرآنیہ کی حساسیت پر روشنی ڈالیے۔

جواب: **اصطلاح کی تعریف:۔**

لفظ کے لغوی معنی اور ایک خاص مفہوم کے درمیان مناسبت پائی جانے کی وجہ سے اس لفظ کو لغوی معنیٰ سے ہٹا کر اس خاص مفہوم کا نام رکھ دینے پر کسی قوم کا متفق ہو جانا۔

اصطلاح کی اہمیت:۔

اصطلاحات عام بول چال کا حصہ ہوتی ہیں، لیکن مخصوص طبقات یا کسی بھی صنعت و حرفت سے تعلق رکھنے والے افراد یا اہل فن کے درمیان کچھ خاص اصطلاحات اس طرح رائج ہوتی ہیں جیسے پھول میں خوشبو ہوتی ہے اگر کوئی شخص اہل فن سے فائدہ حاصل کرنا چاہتا ہے یا ان کے کلام و مراد کو حقیقی طور پر سمجھنا چاہتا ہے تو اسے ان کی اصطلاحات کو سمجھنا ضروری ہوگا ورنہ وہ کتنا ہی خوبصورت کلام کیوں نہ کر لیں ان کے گلدستہ کلام میں سجے سنورے پھولوں کی خوشبو یہ کبھی محسوس نہیں کر سکے گا۔

اصطلاحات قرآنیہ کی حساسیت:۔

اگر قرآن کی کسی بھی اصطلاح کا درست مفہوم نہ سمجھا گیا یا خواہش نفس کی وجہ سے عامیانہ اور گھٹیا مفاہیم کو اس میں داخل کر لیا گیا اور صدیوں سے علمائے امت کی بیان کردہ تشریحات سے ہٹ کر کسی اصطلاح کا کوئی اور مفہوم ٹھہرایا گیا تو پوری امت کا ایمان اور معاملات شک کے دائرے میں آجائیں گے۔

سوال: حضور علیہ السلام سے قرآن پاک کی مکمل تفسیر منقول نہ ہونے میں کیا حکمت ہے؟

جواب: اس میں ایک حکمت یہ ہے کہ اللہ کے بندے اس کی کتاب میں خوب غور و فکر کریں اور اپنے رب کے کلام کی چاشنی سے لطف اندوز ہو کر اس کی گہرائی کا اندازہ کریں، اس طرح ان کی فہم و فراست میں اضافہ ہوگا اور اللہ پاک سے محبت میں بھی پختگی آئے گی۔

﴿صَلُّوْا عَلَي الْحَبِيب! صَلَّي اللهُ تَعَالٰي عَلٰي مُحَمَّد﴾

(پہلا باب صفات باری تعالیٰ)

(پہلی فصل صفت حیات)

سوال: حیات کی تعریف و اقسام لکھیے اور بتائیے اللہ تعالیٰ کی صفت حیات کا کیا مفہوم ہے ؟

جواب: حیات کی تعریف:۔

حیات وہ صفت ہے کہ جس کے ساتھ قائم ہو اس کے لیے صفات ادراک سے موصوف ہونا درست ہو۔

حیات کی دو قسمیں:

(1) حیات قدیمہ : وہ ازلی صفت جو اپنے موصوف کے لیے تمام صفات واجبہ جیسے علم، قدرت اور ارادہ وغیرہ کا تقاضا کرے۔ یہ حیات صرف اللہ تعالیٰ کی شایان شان ہے مخلوق میں سے کسی کو ایسی حیات حاصل نہیں ہو سکتی۔

(2) حیات حادثہ : وہ صفت جس کا موصوف احساس، حرکت اور ارادے کے قابل ہو جائے یہی حیات مخلوق کے لیے ثابت ہے۔

اللہ تعالیٰ صفت حیات کے ساتھ متصف ہے: یعنی وہ ایسا زندہ ہے کہ اس کو اپنی حیات کے لیے دوسرے کی محتاجی نہیں بلکہ ساری مخلوق اپنی حیات کے لیے اس کی محتاج ہے۔

سوال: بغیر روح کے حیات کیسے ممکن ہے ؟

جواب: یہ ممکن ہے کہ خالق حقیقی اللہ تعالیٰ کسی مخلوق میں بغیر روح کے ہی حیات پیدا فرمادے جیسے پتھروں کا حضور ﷺ کو سلام عرض کرنا، میت کا مسکرانا بلکہ بعض احادیث کے مطابق کلام تک فرمانا وغیرہ۔ یہ حیات حقیقی کی مثالیں ہیں کہ جس میں کسی سبب کے بغیر حیات عطا کی جاتی ہے۔

سوال: موت کے بعد حیات کا تصور واضح کیجیے۔

جواب: اللہ تعالی میت میں ایک قسم کی حیات پیدا فرمادیتا ہے جس کی وجہ سے وہ جسم و روح پر وارد ہونے والے ثواب و عذاب کی راحت و کلفت محسوس کرتی ہے۔ دنیا اور آخرت کے درمیان اسی حیات کو "حیات برزخی" اور اس جہانِ حیات کو عالم برزخ کہتے ہیں۔ مرنے کے بعد اور قیامت سے پہلے تمام انس و جن کو حسب مراتب اس میں رہنا ہے۔

سوال: حیات انبیا سے متعلق اسلامی عقیدہ بیان کیجیے۔

جواب: حضور سید عالم صلی اللہ علیہ والہ وسلم اپنی قبر انور میں حیات حقیقی جسمانی دنیاوی برزخی کے ساتھ موجود ہیں بلکہ تمام انبیائے کرام علیہم السلام کو اپنی اپنی قبروں میں یہ زندگی حاصل ہے وہ اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا رزق کھاتے ہیں، نمازیں پڑھتے ہیں، سنتے ہیں، دیکھتے ہیں، جانتے ہیں، کلام فرماتے ہیں، سلام کرنے والوں کے سلام کا جواب دیتے ہیں ، فیوض و برکات

چاہنے والوں کو فیض پہنچاتے ہیں، جہاں چاہیں جاتے ہیں اور جس طرح چاہیں تصرف فرماتے ہیں ان کی یہ حیات جسم مثالی کے ساتھ عالم بالا میں نہیں بلکہ جسم عنصری حقیقی کے ساتھ زمین پر اپنے مزار پر انوار میں ہے۔

سوال: قرآن میں ہر جان بلکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے لیے موت کو یقینی بتایا گیا ہے لہذا حیات النبی کا نظریہ ان آیات کے خلاف ہے؟

جواب: یہ شبہ موت اور حیات کی حقیقت سے واقف نہ ہونے کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے کیونکہ اس شبہ کا شکار افراد موت کو انسان کا سرے سے فنا ہو جانا، سمجھتے ہیں اور حیات صرف روح کے جسم میں موجود ہونے کو گردانتے ہیں، حالانکہ یہ موت و حیات کا ایک نا مکمل تصور ہے۔ اگر اسی تصور کو مکمل سمجھا جائے تو قرآن پاک کی دیگر آیات کا مفہوم ختم ہو کر رہ جائے گا ، مثلاً شہدا کی حیات کا تصور وغیرہ۔ ذیل میں چند نکات کے تحت موت وحیات کے اصل تصور کا بیان کیا جارہا ہے:

- موت مرنے مٹنے کا نام نہیں بلکہ قلب مکانی یعنی ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو جانے کا نام ہے۔
- ہر شے کی موت علیحدہ علیحدہ حقیقت رکھتی ہے اور انسان کے حق میں تو موت بہت مختلف ہے، پھر انسانوں میں بھی عام انسان اور مؤمن کی موت میں بہت فرق ہے۔ جیسے کامل مؤمن کے بارے میں فرمایا گیا: مومن کی موت خوشبودار ہے۔ موت پل ہے جو ایک دوست کو دوسرے دوست تک پہنچاتا ہے۔
- موت وحیات دونوں جسم والی چیزیں ہیں موت کی شکل مینڈھے اور حیات کی گھوڑی جیسی ہے۔

سوال: حیات حقیقی، حیات عادی، موت حقیقی اور موت عادی کسے کہتے ہیں؟

جواب: **حیاتِ حقیقی:** یعنی حکم الہی کی وجہ سے خلاف عادت حیات پائی جائے۔

حیات عادی: یعنی روح کا بدن میں موجود ہونا۔

موت حقیقی: یعنی وہ موت کہ جس پر طاری ہو جائے پھر اس کی بقا نہ ہو سکے، جیسے مختلف کیڑے مکوڑوں پر طاری ہونے والی موت۔

موت عادی: یعنی محض روح کا بدن سے جدا ہونا، نہ کہ روح کا فنا ہونا کہ موت کے بعد ارواح کا باقی رہنا قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔

سوال: اگر انبیائے کرام علیہم السلام موت کے بعد اسی لمحہ حیات کے ساتھ متصف تھے تو ان کی تدفین اور وہ سارے معاملات کیوں کیے گئے جو ایک میت کے ساتھ ہوتے ہیں؟

جواب : وصال کے بعد انبیائے کرام علیہم السلام کی حیات اگر چہ جسمانی و دنیاوی ہے مگر عالم برزخ میں ہے جو ہمارے لیے آڑ اور رکاوٹ ہے ، البتہ یہ اس کے لیے آر پار کاوٹ نہیں جو خود اس عالم میں موجود ہے، لہذا وہ سارے معاملات جو موت

سے ہمکنار ہونے والے کے ساتھ کیے جاتے ہیں انبیائے کرام کے ساتھ بھی ان کی شان کے مطابق انجام پاتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ شہداء جنہیں قرآن کریم میں زندہ اور حیات سے متصف قرار دیا گیا ہے ان کی بھی تدفین ہوتی ہے۔

سوال: نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو قبر میں زندہ ماننے سے شرک لازم آئے گا کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ کی صفت "حی" میں شراکت لازم آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی زندہ اور نبی کریم بھی زندہ؟

جواب: اس سے شرک لازم نہیں آتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی حیات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی حیات میں بہت فرق ہے، مثلاً اللہ تعالیٰ کی حیات ازلی ابدی ہے اور نبی کریم کی حیات از لی نہیں، ابدی ہے اور یہ ابدی حیات جنت میں ہر مسلمان کو حاصل ہوگی۔ نیز نبی کریم ﷺ کی حیات انقطاع کے ساتھ ہے کہ آپ کی بارگاہ میں موت نے حاضری دی ہے جبکہ اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے۔

سوال: خالق و مخلوق کی حیات کو کم از کم تین نکات میں بیان کیجیے۔

جواب: خالق اور مخلوق کی حیات میں فرق حیات کی دونوں قسموں سے ہی واضح ہے کہ خالق حقیقی اللہ تعالیٰ کی صفت حی" قدیم، ازلی اور ابدی ہے ، جبکہ مخلوق کی حیات حادث اور عدم سے وجود میں آنے والی ہے۔

سوال: حیات النبی کے منکر کا حکم بتائیے۔

جواب: جو شخص پیارے آقا صلی اللہ علیہ والہ وسلم یا انبیائے کرام علیہم السلام میں سے کسی کی بھی حیات کا انکار کرے وہ گمراہ بد دین ہے۔

﴿صَلُّوْا عَلَي الْحَبِيب! صَلَّي اللهُ تَعَالٰي عَلٰي مُحَمَّد﴾

(دوسری فصل صفت علم)

سوال: علم کی تعریف کیجیے اور بتائیے اللہ تعالیٰ کے صفت علم سے متصف ہونے کا کیا مطلب ہے ؟

جواب: علم کی تعریف:-

علم وہ نور ہے کہ جو شے اس کے دائرے میں آگئی منکشف ہو گئی اور جس سے متعلق ہو گیا اس کی صورت ہمارے ذہن میں مرتسم ہو گئی۔

اللہ تعالیٰ صفت علم کے ساتھ متصف ہے یعنی وہ تمام موجودات ، معدومات ، ممکنات اور محالات کو مکمل تفصیل کے ساتھ جاننے والا ہے جس میں کسی بھی قسم کی زیادتی کا امکان نہیں ، اس کا علم واحد ہے اور معلومات کی کوئی انتہا نہیں۔

سوال: علم الہی کی کیفیت کے حوالے سے بیان کیا گیا موقف واضح کیجیے۔

جواب: ایک مسلمان کے لیے اس بات کو دل سے تسلیم کرنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کو جمیع کائنات کے ذرہ ذرہ کا علم ہے کیونکہ یہ بات قرآن مجید اور احادیث نبویہ سے ثابت ہے جس پر عقلی دلائل ذکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں کہ ان دلائل میں شکوک و شبہات آتے رہتے ہیں اور جہاں تک بات اشیاء سے متعلق اللہ تعالیٰ کے علم کی کیفیت کی ہے تو ہم اس کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں، لہذا علم ، اللہ تعالیٰ کی صفت ہونے کی حیثیت سے صفات محکمات میں سے ہے اور اپنی کیفیت کی حیثیت سے صفات متشابہات میں سے ہے۔

سوال: اقسام علم کا خلاصہ بیان کیجیے۔

جواب: **علم کی دو اعتبارات سے تقسیم کی گئی ہے عالم کے اعتبار سے اور معلوم کے اعتبار سے علم کی اقسام**

(1) عالم کے اعتبار سے علم کی دو قسمیں ہیں:

- **علم ذاتی**: وہ علم جو عالم کو بغیر کسی ذریعے اور سبب کے معلوم ہو، اس کو بتانے والا کوئی نہ ہو۔ یہ علم صرف اللہ تعالیٰ کی شایانِ شان ہے۔
- **علم عطائی**: وہ علم جو عالم کو کسی ذریعے اور سبب سے حاصل ہو ، یہ علم اللہ تعالیٰ مخلوق کو اپنے فضل سے عطا فرماتا ہے۔ علم عطائی کو " علم حصولی " بھی کہتے ہیں۔

(2) معلوم کے اعتبار سے علم کی دو قسمیں ہیں:

- **علم غیب**: وہ علم جس کو انسان نہ توآنکھ ناک کان وغیرہ حواس خمسہ سے حاصل کر سکے اور نہ وہ بلا دلیل بداہتا عقل میں آسکے۔

❖ **علم شہادت:** وہ جس کو انسان آنکھ ، ناک اور کان وغیرہ حواس خمسہ سے حاصل کر سکے اور بغیر دلیل بداہتا عقل میں بھی آسکے۔ اس کو علم غیب کے مقابل شمار کیا گیا ہے۔

سوال: علم نبوی کی نفی پر مشتمل آیات کو سمجھنے کا ضابطہ بتائیے۔

جواب: علم نبوی کی نفی کے لیے کسی بھی آیت مبارکہ کے ضمن میں کوئی واقعہ ، خبر یا مختلف لوگوں کے حالات وغیرہ بطور دلیل سامنے آئیں تو سب سے پہلے یہ دیکھا جائے گا کہ اس واقعہ کی تاریخ کیا ہے ؟ وہ آیت کب نازل ہوئی تھی ؟ اگر تاریخ معلوم نہ ہو تو اس کو بنیاد بنا کر وسعت علم نبوی پر اعتراض کرنا درست نہیں کیونکہ تاریخ کا معلوم نہ ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ بات مکمل قرآن نازل ہونے سے پہلے کی ہے اور جیسے جیسے قرآن نازل ہوتا رہا علم نبوی میں زیادتی ہوتی گئی۔

اگر تاریخ معلوم ہو تو پھر یہ دیکھا جائے گا کہ وہ تاریخ مکمل قرآن نازل ہونے سے پہلے کی ہے یا بعد کی؟ اگر پہلے کی تاریخ ہے تب بھی مذکورہ اصول کی بنیاد پر نفی علم کا استدلال درست نہیں کہ ابھی نزول قرآن باقی ہے۔ البتہ اگر نزول کے بعد کی تاریخ ہے تو ضروری ہے کہ وہ نص صریح قطعی الثبوت قطعی الدلالۃ ہو ، ورنہ استدلال ہرگز درست نہیں ہوگا کہ وسعت علم نبوی پر دلالت کرنے والی آیات اسی درجہ کی ہیں اور ان کے مقابلے میں کم درجہ کی دلیل کافی نہیں ہو سکتی۔ یہ بھی یاد رہے کہ وسعت علم پر دلالت کرنے والی آیات کے مقابلے میں نفی کے لیے قطعی دلیل منانا ممکن ہے۔

سوال: قرآن پاک میں حضور کے لیے علم غیب کی ترکیب ذکر نہیں ہوئی، اس کی توضیح کیجیے۔

جواب: یہ شبہ دو الگ الگ باتوں میں فرق نہ کرنے کی بنیاد پر ہے ، یعنی "حضور کو "عالم الغیب" کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟ یہ ایک الگ بات ہے اور حضور غیب جانتے ہیں یا نہیں ؟" یہ الگ بات ہے۔

(1) حضور کو "عالم الغیب کہنا کیسا ؟

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ والہ وسلم یا کسی بھی نبی و مخلوق کو مطلقاً عالم الغیب کہنا درست نہیں کہ اس لفظ کا مطابقاً استعمال اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے کیونکہ جب یہ لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے عام حالت میں علم ذاتی کی طرف ذہن جاتا ہے اور یہ شان صرف اللہ تعالیٰ کی ہے۔ حضور پر نور صلی اللہ علیہ والہ وسلم یقینی طور پر غیوب کو جاننے والے ہیں مگر "عالم الغیب " صرف اللہ تعالیٰ کو کہا جائے گا ۔

(2) حضور غیب جانتے ہیں۔

اللہ پاک نے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو تمام اولین و آخرین کا علم عطا فرمایا، مشرق تا مغرب، عرش تا فرش سب کچھ ان پر روشن فرمایا، آسمان و زمین کی سلطنت کا شاہد بنایا، ابتدا سے انتہا تک جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ ہونے والا ہے

سب کچھ ان کو بتایا، ان چیزوں میں سے ایک ذرہ بھی حضور کے علم سے باہر نہیں، آپ کا علم ان سب کا احاطہ کیے ہوئے ہے

سوال: وسعت علم محمدی پر اعلیٰ حضرت کے کلام کا خلاصہ کیجیے۔

جواب: اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: علم محمدی میں وہ ہزار در ہزار بے حد و کنار سمندر لہرا رہے ہیں جن کی حقیقت کو وہ خود جانیں یا ان کا عطا کرنے والا ان کا مالک و مولی جل و علا۔ **ترجمہ: اور ہم نے تم پر یہ قرآن اتارا قرآن عظیم خود علم محمدی کی وسعت پر گواہ ہے کہ ہر چیز کا روشن بیان ہے اور ہدایت اور رحمت اور بشارت مسلمانوں کو۔(پ14، النحل: 89)** جب قرآن مجید میں ہر شے کا روشن اور مفصل بیان ہے اور اہلِ سنت کے نزدیک شے " ہر موجود کو کہتے ہیں تو عرش تا فرش تمام کائنات اور جملہ موجودات اس بیان میں داخل ہوئے، اور موجودات میں کتابت لوح محفوظ بھی ہے لہذا اس میں لکھے گئے تمام بیانات بھی تفصیلاً شامل ہوئے۔ نص صحیح قطعی سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ والہ و سلم کواللہ تعالی نے روز اول سے تا قیامت تمام موجودات جو لوح محفوظ میں درج ہیں سب کا علم دیا بلکہ مشرق و مغرب، آسمان و زمین اور عرش و فرش میں کوئی ذرہ بھی حضور کے علم سے باہر نہیں۔

سوال: جن احادیث میں حضور نے اپنی ذات سے علم کی نفی فرمائی ہے، ان کا کیا جواب ہے نیز فہم حدیث کا ضابطہ لکھیے؟

جواب: حضور سید عالم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا علم اور اس کی وسعت نص صریح یقینی الافادہ سے ثابت ہے ، اس کی نفی کے لیے ایسی ہی دلیل درکار ہوگی جو ثبوت والی دلیل کے درجہ کی ہو اور پورے ذخیرۂ علم میں ایسی ایک دلیل بھی موجود نہیں جو پیارے آقا صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے وسعت علم کی نفی کر سکے۔اس مضمون کی احادیث عموماً خبر واحد ہوتی ہیں اور بالفرض خبر واحد نہ بھی ہوں بلکہ اس سے اوپر درجہ کی ہوں تب بھی وہ قطعی الدلالۃ نہیں ہوں گی! خبر واحد سے متعلق امت کے اکابر علما کا یہ فیصلہ ہے کہ اگر وہ حدیث قرآن کریم یا خبر متواتر کے مقابلے میں آجائے تو حتی الامکان اس کا وہ معنی مقرر کیا جائے گا جس سے یقینی الافادہ اور ظنی الافادہ دونوں درست ہو جائیں اور اگر ایسا معنی مقرر کرنا درست نہ ہو تو خبر واحد کو نظر انداز کر کے قرآن یا خبر متواتر پر نظریہ قائم کیا جائے گا۔اس ضابطہ کی روشنی میں وہ احادیث آحاد جن میں علا علم کی نفی ہے ان سے علم ذاتی کی نفی مقرر کی جاسکتی ہے اور جن آیات میں علم کا ثبوت ہے ان سے علم عطائی کا ثبوت مقرر کیا جا سکتا ہے، یوں ثبوت و نفی دونوں معنی درست ہو جائیں گے۔

سوال: خالق و مخلوق کے علم میں فرق بتائیے۔

جواب: خالق کا علم :-

اللہ تعالیٰ کا علم ذاتی ہے،اس کی ذات کے لیے واجب ہے،ازلی، سرمدی، قدیم اور حقیقی ہے، مخلوق نہیں ہے،کسی کے زیر قدرت نہیں،لامتناہی ہے کہ اس کی کوئی انتہا نہیں، علم میں تبدیلی ممکن نہیں، علم میں کمی زیادتی ممکن نہیں، علم کا ہمیشہ رہنا واجب ہے۔

مخلوق کا علم:۔

مخلوق کا علم عطائی ہے،اس کی ذات کے لیے ممکن ہے،حادث ہے، مخلوق ہے،اللہ کی قدرت میں اور اس کے زیر دست ہے،متناہی ہے کہ اس کی کوئی نہ کوئی انتہا ہے، مخلوق کے علم میں تبدیلی ممکن ہے، مخلوق کے علم میں کمی زیادتی ممکن ہے، مخلوق کے علم کا فنا ہونا ممکن ہے۔

سوال: علم غیب کے انکار کا حکم بالتفصیل لکھیے۔

جواب: علم غیب کے انکار کی تین قسمیں ہیں:

قسم اول: علم غیب سے متعلق وہ مسائل جو ضروریات دین سے ہیں ان کا انکار کرنا یا ان میں تھوڑا سا بھی شک کرنا کفر ہے،

یہ پانچ بنیادی مسائل ہیں:

- اللہ تعالیٰ ہی عالم بالذات ہے ، اس کے بتائے بغیر ایک حرف کوئی نہیں جان سکتا۔
- رسول اللہ ﷺ اور دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کو اللہ تعالی نے اپنے بعض غیوب کا علم دیا ہے۔
- رسول اللہ ﷺ کا علم اوروں سے زائد ہے، ابلیس کا علم معاذ اللہ علم اقدس سے ہر گز وسیع تر نہیں۔
- جو علم اللہ تعالیٰ کی صفت خاصہ ہے جس میں اس کے حبیب محمد رسول اللہ ﷺ کو شریک کرنا بھی شرک ہو وہ ہرگز ابلیس کے لیے نہیں ہو سکتا، جو ایسا مانے قطعا مشرک کا فر ملعون بندہ ابلیس ہے۔
- زید و عمرو، ہر بچے، پاگل، چوپائے کو علم غیب میں محمد رسول اللہ ﷺ کے جیسا کہنا حضور اقدس ﷺ کی صریح توہین اور کھلا کفر ہے۔

قسم ثانی: علم غیب سے متعلق وہ دو باتیں جن کا انکار کرنا بد مذہبیت ، گمراہی اور بدعت ہے:

- رسولوں کے واسطے سے اللہ تعالیٰ، اولیائے کرام کو بھی کچھ علوم غیب عطا فرماتا ہے۔ اگر کوئی صرف رسولوں کے لیے غیب جاننا تسلیم کرے مگر اولیائے کرام کے لیے علم غیب میں کوئی حصہ نہ مانے تو وہ گمراہ اور بدعتی ہے۔
- اللہ تعالی نے اپنے محبوبوں خصوصاً سید المحبوبین ﷺ کو غیوب خمسہ میں سے بہت سارے جزئیات کا علم بخشا ہے جو یہ کہے کہ ان پانچ چیزوں میں سے کسی کا علم کسی کو نہ دیا گیا تو وہ ہزارہا احادیث متواترۃ المعنی کا منکر اور بد مذہب خاسر ہے۔

قسم ثالث : قسم ثالث کی درج ذیل شقوں میں سے کسی کی نفی یا اثبات کرتا ہے تو اس پر کفر تو کیا، فسق و گمراہی کا حکم بھی نہیں لگے گا، وہ پانچ شقیں درج ذیل ہیں :

- **رسول اللہ ﷺ کو تعیین وقت قیامت کا بھی علم ملا۔**
- حضور کو بلا استثناء جمیع جزئیات خمس کا علم ہے۔
- جملہ مکنونات قلم و مکتوبات لوح بالجملہ روز اول سے روز آخر تک تمام ماکان و مایکون مندرجہ لوح محفوظ اور اس سے بہت زائد کا علم ہے جس میں ماورائے قیامت تو جملہ افراد خمس داخل، اور دربارہ قیامت اگر ثابت ہو کہ اس کی تعیین وقت بھی درج لوح ہے تو اسے بھی شامل ، ورنہ دونوں احتمال حاصل۔
- حضور پر نور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو حقیقت روح کا بھی علم ہے۔
- جملہ متشابہات قرآنیہ کا بھی علم ہے۔

﴿صَلُّوْا عَلَي الْحَبِيب!   صَلَّي اللهُ تَعَالٰي عَلٰي مُحَمَّد﴾

(تیسری فصل صفت قدرت)

سوال: لفظ شئ کے اطلاقات و معانی مثالوں کے ساتھ واضح کیجیے۔

جواب: شی کے لغوی مفہوم: وہ جس کا تصور کرنا اور اس کے بارے میں خبر دینا درست ہو کے تحت اس کے پانچ بنیادی مدلولات یا معانی بیان کیے جاسکتے ہیں۔

(1) واجب وقدیم: کبھی شئ کا اطلاق ذات واجبہ اور صفات قدیمہ پر ہوتا ہے ، جیسے اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات۔

(2) ممتنع و محال: کبھی شئ کا اطلاق نا ممکن اور محال پر بھی ہوتا ہے ، جیسے اللہ تعالیٰ کا شریک۔

(3) ممکن، موجود بالفعل: کبھی شئ کا اطلاق ایسے ممکن پر ہوتا ہے جو حد امکان سے آگے وجود کا درجہ بھی رکھتا ہے ، اب چاہے اس کا وجود خارج میں ہو یعنی اس کو محسوس کیا جا سکتا ہو، جیسے کائنات کی لامحدود اشیاء یا اس کا وجود ذہن میں ہو یعنی اس کا تصور موجود ہو ، جیسے کسی بھی شخص کی آئینے میں نظر آنے والی صورت جو اس کے ذہن میں آجائے، یا وہ تصورات جو کسی کی حیثیت اور رتبے کے لحاظ سے ذہن میں آئیں۔-

(4) ممکن ، معدوم بالفعل: کبھی شئ کا اطلاق ایسے ممکن پر ہوتا ہے جو فی الحال پایا ہی نہیں جاتا اور انسان کی قوت فکر وہاں تک نہیں پہنچ سکتی لیکن اللہ تعالی کے ارادے کے مطابق اپنے مقررہ وقت پر ضرور وجود میں آئے گا جو کہ ایک امر غیبی ہے ، جیسے امام مہدی کا ظہور۔

(5) ممکن، معدوم ابدی: کبھی شئ کا اطلاق ایسے ممکن پر ہوتا ہے جس کو وجود میں لانے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ارادہ متعلق ہی نہ ہوا ہو ، اسی لیے نہ وہ فی الحال کوئی وجو د رکھتا ہے اور کبھی وجود میں آئے گا۔

سوال: مسئلہ "خلف وعید" اور "امکان کذب" کے درمیان کیا فرق ہے ؟

جواب: خلف وعید " اور "امکان کذب دو الگ الگ مسئلے ہیں۔ ان دونوں کو ایک سمجھنا یا امکان کذب کو خلف وعید کی فرع جاننا کم عقلی اور امت کے اجماعی عقیدے کے بالکل خلاف ہے۔ اس کی درج ذیل تین وجوہات ہیں :

پہلی وجہ : قرآن کریم میں ایسی آیات جہاں وعید سنائی گئی اور عذاب سے ڈرایا گیا ہے ان کو انشائے تخویف و تہدید سے تعبیر کیا جاتا ہے ، یعنی وہ جملہ انشائیہ ہیں جس میں سرے سے جھوٹ اور سچ کا احتمال ہی نہیں۔ نیز کریم اپنے کرم سے وعید کے خلاف فرمائے تو یہ عیب نہیں بلکہ کمال درجہ کی خوبی ہے ، عیب یہ ہے کہ وعدے کے خلاف کیا جائے جو کریم کے کرم سے بعید ہے۔

دوسری وجہ : "آیات وعید "، "آیاتِ عفو سے مخصوص و مقید ہیں، یعنی عفو و وعید دونوں کے بارے میں آیات آئی ہیں لہذا دونوں کو ملانے سے یہ بات سمجھی جائے گی کہ اللہ تعالیٰ جنہیں معاف نہیں فرمائے گا وہ لوگ سزا پائیں گے اور جن کو معاف فرمادے گا وہ سزا سے محفوظ رہیں گے۔

تیسری وجہ : کریم کا کرم بھی اس بات پر قرینہ ہے کہ وعید محض ڈرانے اور خوف دلانے کے لیے ہوتا کہ مخلوق اس نامنظور عمل سے بچ جائے۔ بالفرض کوئی آیت وعید مخصوص نہ بھی ہوتی تو یہی قرینہ کرم تخصیص و تقیید کے لیے کافی ہوتا۔

سوال: قدرت اور شئ کی تعریف لکھیے ، نیز قدرت کی اقسام بھی بیان کیجیے۔

جواب: **قدرت کی تعریف:** قدرت وہ صفت ہے جو ذی حیات کو اپنے ارادے سے کام کرنے یا نہ کرنے کا اختیار دیتی ہے۔

شئ کی تعریف: شی سے مراد وہ ہے جس کا جاننا اور اس کے بارے میں خبر دینا درست ہو ۔

قدرت کی اقسام

قدرت کی دو قسمیں ہیں: (1) قدرت کاملہ۔ (2) قدرت ناقصہ۔

قدرت کاملہ: وہ قدرت جو اللہ تعالیٰ کی خاص صفت ہے،یعنی اللہ تعالیٰ تمام ممکنات اور ساری کائنات کی تخلیق و ایجاد پر قادر ہے البتہ ممکنات وحوادث کی کسی خصوصیت ،عیب و نقص کی کسی صفت سے متصف ہونے پر قادر نہیں کہ یہ ناممکن ہے۔

قدرت ناقصہ : وہ قدرت جو مخلوق کی صفت ہے ، یعنی حوادث کی خصوصیات سے متصف ہونا مثلاً عجز ، جسمانیت وغیرہ یا نقص و عیب اور برائی کے اختیار کرنے پر قادر ہونا مثلاً جھوٹ بولنا یا اخلاق رذیلہ کا حامل ہونا وغیرہ۔

سوال: اللہ تعالیٰ کے صفت قدرت کے ساتھ متصف ہونے کا کیا مطلب ہے ؟

جواب: اللہ تعالی صفت قدرت کے ساتھ متصف ہے یعنی وہ ہر ممکن پر قادر ہے، جس کو چاہے وجود بخشے ، جسے چاہے معدوم رہنے دے ، جس موجود کو معدوم کرنا چاہے کر دے اور جس معدوم کو موجود کرنا چاہے کرلے۔

سوال: قرآن میں لفظ شئ اللہ تعالیٰ کی مختلف صفات کے ساتھ مذکور ہوا ہے ، کہاں کیا معنیٰ ہوگا؟

جواب: **قرآن میں لفظ شئ صفت قدرت، صفت علم، صفت بصر اور صفت خلق کہ ساتھ مذکور ہوا ہے۔**

- قرآن کریم میں جہاں صفت قدرت" کے ساتھ لفظ "شی مذکور ہے وہاں اس کا تعلق صرف ممکنات سے ہوگا ، اس مقام پر شئ کے معانی میں واجب اور ممتنع شامل نہیں ہوگا۔
- قرآن کریم میں جہاں صفت علم " کے ساتھ لفظ "شی " مذکور ہے وہاں اس سے واجب، ممکن، قدیم، حادث ، موجود، معدوم، مفروض و موہوم سب مراد ہوگا اور کوئی شی اس کے مفہوم سے خارج نہیں ہوگی۔

- قرآن کریم میں جہاں صفت بصر " کے ساتھ لفظ "شی مذکور ہے وہاں یہ لفظ تمام موجودات قدیمہ و حادثہ کو شامل ہوگا، خواہ وہ رنگ اور روپ پر مشتمل ہوں، یا تین زمانوں میں سے کسی زمانے میں کبھی بھی محقق یا مقدر ہوں، مگر معدومات چاہے محال ہوں یا ممکن غیر مراد الوجود وہ اس سے خارج ہیں، کیونکہ ابصار کی صلاحیت صرف موجود ہی میں ہے ، معدومات میں یہ صلاحیت سرے سے ہے ہی نہیں۔
- قرآن کریم میں جہاں صفت خلق " کے ساتھ لفظ "شی مذکور ہے وہاں اس کا تعلق صرف ممکن مراد الوجود اور حوادثات سے ہوگا، کیونکہ واجب و قدیم یعنی ذات و صفات باری تعالیٰ مخلوقیت سے پاک ہیں اور ممتنعات صفت خلق کے تحت آنے کے قابل نہیں۔

سوال: قرآن میں استہزاء اور مکر وغیرہ کے الفاظ اللہ تعالیٰ کے لیے ذکر ہوئے ہیں، ان کا کیا مطلب ہے ؟

جواب: قرآن پاک میں جہاں اللہ تعالیٰ کی طرف اس طرح کے کلمات منسوب ہوئے ہیں وہاں ان کے لغوی معنی ہرگز مراد نہیں ہوتے بلکہ تمام مفسرین، فقہا اور متکلمین حتی کہ صوفیائے کرام بھی ان کلمات کو ان کے ظاہری مفہوم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنے کو درست نہیں سمجھتے اور اپنے اپنے انداز میں ان کی تعبیر فرما کر مراد الٰہی کی ترجمانی کرنے کی کوشش فرماتے ہیں تاکہ عظمت الٰہی کو ظاہری مغالطہ آمیزی سے بچاکر ان کا صحیح مفہوم بیان کیا جا سکے۔

سوال: ممتنعات تحت قدرت نہیں ہیں، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کی صفت میں نقص کیوں لازم نہیں آتا؟

جواب:واجب و ممتنع کے تحت قدرت نہ ہونے سے اللہ تعالیٰ کی صفت میں نقص لازم نہیں آئے گا کیونکہ واجب و ممتنع میں یہ صلاحیت اور قابلیت ہی نہیں کہ وہ تحت قدرت آسکیں اور ایسا اس لیے ہے کہ قدرت ایک صفت مؤثرہ ہے اور تاثیر کے لوازمات میں سے یہ بات ہے کہ وہ عدم کے بعد موجود ہو، تو جو چیز عدم کو اصلاً قبول ہی نہ کرے جیسے واجب ، اس پر صفت قدرت کا اثر نہیں ہو سکتا، کیونکہ اس سے تحصیل حاصل لازم آئے گا، اور جو چیز وجود ہی کو قبول نہ کرے جیسے محال، اس پر بھی صفت قدرت کا اثر نہیں ہوگا، کیونکہ اگر اثر ممکن ہوگا تو قلب حقیقت لازم آئے گا کہ محال ممکن بن جائے گا، لہذا قدرت کے واجب و محال سے متعلق نہ ہونے میں اس صفت کا کوئی قصور نہیں بلکہ قصور متعلق میں ہے، کیونکہ اس سے یہ لازم آئے گا کہ صفت قدرت کا معدوم ہونا بھی ممکن ہو ، ذات باری کا معدوم ہونا بھی ممکن ہو ، حوادثات کے لیے الوہیت ثابت کرنا بھی ممکن ہو اور ذات باری تعالیٰ سے الوہیت کا سلب بھی ممکن ہو ! اس سے بڑھ کر نقص و قصور کیا ہوگا

سوال: انسان جھوٹ اور دیگر عیوب کے اختیار پر قادر ہے لیکن قدرت کی بیان کی گئی اقسام کے مطابق اللہ تعالی اس پر قادر نہیں تو کیا اس طرح انسان کی قدرت اللہ تعالیٰ کی قدرت سے زیادہ نہیں ہوگی ؟

جواب: جی نہیں ایسا ہر گز نہیں ہے، کیونکہ پہلی بات تو یہ کہ قدرت ناقصہ جو مخلوق کی صفت ہے وہ قدرت کاملہ سے بے شمار درجہ ناقص ہے ، اور دوسری بات یہ کہ ایک شئی کی دوسری شی پر زیادتی کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ دوسری جن چیزوں پر مشتمل ہے پہلی بھی ان چیزوں پر مشتمل ہو ، اس کے مطابق انسان کی قدرت کے زیادہ ہونے کے لیے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت جن چیزوں کو شامل ہے انسان کی قدرت ان سب کو شامل ہو اور پھر یہ بھی ضروری ہے کہ انسان کی قدرت اللہ تعالیٰ کی قدرت پر مشتمل ہونے کے ساتھ ساتھ اس سے زائد کو بھی شامل ہو ، اور ایسا ہے نہیں لہذا جب یہ دونوں باتیں ثابت ہوں گی تب ہی یہ شبہ درست ہوگا، ورنہ اس کی حیثیت اور بنیاد تار عنکبوت سے بھی کمزور ہوگی۔

﴿صَلُّوْا عَلَي الْحَبِيب! صَلَّي اللهُ تَعَالٰي عَلٰي مُحَمَّد﴾

(دوسرا باب انبیاء کرام سے متعلق اصطلاحات)

(پہلی فصل نبی و بشر)

سوال: انبیائے کرام کو بشری لبادے میں مبعوث فرمانے کی کیا حکمت ہے ؟

جواب: اس کی بنیادی حکمت یہی تھی کہ عوام اپنے فطری انداز و مزاج کی روشنی میں انبیائے کرام علیہم السلام کی صداقت کو آسانی سے تسلیم کر سکیں۔اگر انبیائے کرام کا یہ سلسلہ اس بشری صورت کے بجائے ملکی کیفیت میں چلتا تو ممکن تھا کہ عام انسان فطری مزاج و مذاق یا فطری فضائل قبول کرنے سے عاجز رہ جاتے یا خود کو عاجز قرار دیتے، لہذا اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی رشد و ہدایت کا وہ طریقہ جاری فرمایا جو ان کی فطرت کے عین مطابق تھا، وہ دعوی نبوت کرنے والی برگزیدہ ہستی کو اپنے من چاہے مطالبے پر پرکھ سکتے تھے اور قلب سلیم رکھنے والوں کو ان کی نبوت تسلیم کرنے میں کوئی تردد و تامل نہیں رہتا۔ اس کے باوجود جن لوگوں کے دلوں پر مہر تھی انہوں نے بشری لبادے میں ملبوس ان برگزیدہ ہستیوں کی روحانی قوتوں کو فراموش کر کے ان کی نبوت کا سرے سے ہی انکار کر دیا، حالانکہ یہ ہستیاں محض ان کی رشد و ہدایت کے لیے بشری لبادے میں مبعوث کی گئی تھیں اور روحانیت میں عام لوگوں سے کہیں زیادہ بڑھ کر تھیں، لیکن کفار ان کو اپنے جیسا بشر سمجھ کر گمراہ ہو گئے۔

سوال: قرآن کریم میں نبی کے لیے بشر کا لفظ کیوں ذکر ہوا؟ اس کا پس منظر تلاش کر کے بیان کیجیے۔

جواب: سابقہ امتوں میں ایسے افراد بھی سامنے آئے جنھوں نے اپنی طرف مبعوث ہونے والے نبی کی روحانی قوتوں کو ملاحظہ کیا تو ان کو "خدا کا بیٹا" یا "خدا" کہنا شروع کر دیا، لہذا اللہ تعالی نے قرآن کریم میں نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی زبانی یہ بات بیان فرمائی کہ وہ خدا کا بندہ ہونے میں ان کے جیسے ہی بشر ہیں" اس سے مقصود صرف یہ تھا کہ جس طرح سابقہ امتوں نے اپنے نبی کے معجزات دیکھ کر انہیں خدا سمجھ لیا، امت محمد یہ ایسی کافرانہ خطا سے محفوظ رہے۔

سوال: حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی نورانیت و بشریت کے حوالے سے مسلمانوں کا عقیدہ بیان کیجیے۔

جواب: حضور سید عالم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی حقیقت نور ہے مگر آپ کی بشریت کا مطلقاً انکار کفر ہے۔ لیکن آپ کی بشریت عام انسانوں کی طرح نہیں بلکہ آپ سید البشر ، افضل البشر اور خیر البشر ہیں۔جو شخص آپ کی بشریت کا مطلقاً انکار کرے وہ کافر ہے اور جو شخص آپ کی نورانیت کا انکار کرے وہ خود گمراہ ہے اور دوسروں کو گمراہ کرتا ہے۔

﴿صَلُّوْا عَلَي الْحَبِيب!   صَلَّي اللہ تَعَالٰي عَلٰي مُحَمَّد﴾

(دوسری فصل خاتم النبیین)

سوال: ختم نبوت کی حکمت بیان کیجئے۔

جواب: نبوت محمدیہ کے دامن سے ایسا دین وابستہ ہے جو قیامت تک پیش آمدہ ضروریات کو پورا کرنے کا واحد ذریعہ ہے، لہذا نبوت ورسالت محمد یہ ہی اب نوع انسان کے ہر فرد کے لیے کافی اور ضروری ہے، اس کے بعد کسی کو نبوت دیا جانا متصور نہیں، کیونکہ سلسلۂ نبوت حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر ختم فرما دیا گیا ہے۔

سوال: خاتم " کا لغوی و اصطلاحی معنی ذکر کیجیے اور تائید میں کم از کم ایک آیت مبارکہ پیش کیجیے۔

جواب: لفظ خاتم ختم سے بنا ہے جس کا لغوی معنی "مہر لگانا ہے۔ اصطلاح میں اس کا معنی تمام کرنا، ختم کرنا اور بند کرنا ہے، کیونکہ مہر یا تو مضمون کے آخر میں لگتی ہے جو مضمون کے ختم ہو جانے کی دلیل ہوتی ہے، یا پھر پارسل بند ہونے پر لگتی ہے جس کا مطلب ہوتا ہے کہ اب اس میں مزید کوئی چیز داخل نہیں ہو سکتی اور اندر سے کوئی چیز باہر نہیں آسکتی۔ قرآن شریف میں یہ لفظ دونوں معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالی ہے۔ (خَتَمَ اللہُ عَلَی قُلُوبِهِمْ وَعَلَى سَمْعِهِمْ)ترجمہ : اللہ نے اُن کے دلوں پر اور کانوں پر مہر کر دی۔(پ 1 ، البقرۃ:7)

سوال: قرآنی لفظ " خاتم النبیین " سے امت نے کیا معنی سمجھے ہیں؟

جواب: آیت ختم نبوت میں لفظ " خاتم النبیین" سے سلفا و خلفاً تمام امت مرحومہ نے یہی معنی سمجھے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ والہ وسلم بلا تخصیص تمام انبیا میں آخری نبی ہوئے، حضور کے ساتھ یا حضور کے بعد قیامت تک کسی کو نبوت ملنا محال ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پہلے نبوت مل چکی ہے۔ جب آپ زمین پر نزول فرمائیں گے تو شریعت محمدیہ پر ہی عمل کریں گے، اسی شریعت پر عمل کا حکم دیں گے اور خانہ کعبہ کی جانب ہی رخ کر کے نماز پڑھیں گے۔

سوال: "لفظ ختم کے "علی" کے ساتھ اور بغیر صلہ کے استعمال میں معنی پر کیا فرق پڑتا ہے؟

جواب: جب ختم بمعنی "مہر " ہوتا ہے تو اس کے بعد "علی" حرف جار بطور صلہ ضرور ہوتا ہے، خواہ یہ جار ظاہر ہو یا پوشیدہ لیکن جب ختم بمعنی "آخر ہونا" یا "تمام کرنا ہوگا تو "علی" کی ضرورت نہیں ہوگی"خاتم النبیین" میں "علی" نہ ظاہر ہے نہ پوشیدہ، لہذا یہاں اس کا معنی "آخری نبی " لیا جائے گا۔

سوال: خاتم " کا معنی "افضل "کرنے والوں کی دلیل اور اس کا جواب تحریر کیجیے۔

جواب: دلیل: خاتم النبیین کا معنی ہے: "نبیوں سے افضل " جیسے کہا جاتا ہے: " فلاں شخص خاتم الشعراء یا خاتم المحدثین ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ " وہ شعر ایا محد ثین میں آخری شاعر یا آخری محدث ہے " بلکہ اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ محد ثین یا شعر میں افضل ہے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا: " أَنْتَ

خَاتَمُ الْمُہَاجِرِینَ تم مہاجرین میں خاتم یعنی افضل ہو۔ " یہ مراد نہیں کہ "تم سب سے آخری مہاجر ہو! کیونکہ ہجرت تو قیامت تک جاری رہے گی، لہذا خاتم النبیین کا معنی بھی اسی اصول کے تحت یہ کیا جانا چاہیے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے بعد بھی قیامت تک انبیا آسکتے ہیں ، ہاں ! آپ تمام نبیوں میں سب سے افضل ہیں "۔

اس شبہ کی بنیاد میں ہی غلطی ہے کہ خاتم کا معنی افضل ہے، تفصیل ملاحظہ کیجیے: خاتم ختم " سے بنا ہے جس کا معنی " فضل نہیں ہے، ورنہ (خَتَمَ اللہُ عَلٰی قُلُوبِهِمْ) کا ترجمہ یہ ہوتا کہ "اللہ نے کافروں کے دل افضل کر دیئے! جب لفظ "ختم " میں سرے سے افضلیت کا معنی ہی نہیں تو لفظ " خاتم " جو اس سے مشتق ہے اس میں یہ معنی کہاں سے آگئے ! لوگوں کا کسی کو " خاتم الشعراء " کہنا مبالغہ ہوتا ہے جس کا درست مفہوم یہ ہوتا ہے کہ گویا اب اس شان کا شاعر نہیں آئے گا " جیسے کسی زبر دست شاعر کی تعریف کرتے ہوئے اردو میں کہا جاتا ہے : "فلاں پر شعر گوئی ختم ہو گئی۔ " اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ "اب کوئی شاعری کر ہی نہیں سکتا" بلکہ اس طرح کے جملے تعریف میں مبالغے کے لیے بولے جاتے ہیں، جبکہ حکیم رب کا کلام مبالغہ اور جھوٹ سے پاک ہے، لہذا " خاتم النبیین" کے الفاظ مبالغہ پر مشتمل نہیں بلکہ ایک حقیقت کا بیان ہیں۔

سوال: خاتم النبیین کا اجماعی معنی کیا ہے اور علما نے اس کے منکر پر کیا حکم لگایا ہے ؟

جواب:خاتم النبیین کا معنی آخری نبی خود حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے بیان فرمایا اور اس پر امت کا اجماع رہا، اب اگر کوئی اس کے نئے معنی ایجاد کرلے جیسے اصلی نبی اور افضل نبی وغیرہ اور اجماعی معنیٰ کا انکار کرے تو وہ کافر کہلائے گا۔

سوال: خاتم النبیین میں کوئی اپنی کج فہمی کی بنا پر الف لام عہد کا مانے تو اس پر کیا حکم لگے گا؟

جواب: اگر کوئی شخص درج ذیل باتوں کو نصوص قطعیہ و اجماع یقینی وضروریات دین سے ثابت مانے اور صراحۃ ایمان لائے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے زمانہ میں خواہ حضور کے بعد، کبھی کسی جگہ کسی طرح کی کوئی نبوت کسی کو نہیں مل سکتی۔ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے خاتم النبیین وآخر الانبیاء والمرسلین ہونے میں اصلاً کوئی تخصیص، تاویل، تقیید اور تحویل نہیں۔تمام طوائف ملعونہ کے اکابر کو صاف صاف کافر مرتد مانے۔

البتہ ! بزعم خود اگر کوئی اپنی نحوی و منطقی جہالتوں، بطالتوں ، کج فہمیوں کے باعث آیہ کریمہ میں الف لام عہد مراد لے اور استغراق کو غلط سمجھے تو اگر چہ تفسیر متواتر ، اجماعی، قطعی اور اسلوب فقہی کے انکار کی وجہ سے اس پر اب بھی کفر لزومی کا حکم رہے گا مگر چونکہ اس نے صحیح عقیدے کی تصریح اور منکرین ختم نبوت کی تکفیر صریح کر دی ہے تو اس کی تکفیر سے زبان روکنا ہی مسلک تحقیق و احتیاط ہو گا۔ لیکن ایسا شخص مرتد و کافر گروہ کا معین و مددگار ، کلام الٰہی کو کھیل بنانے والا

، حضور خاتم النبیین کی بیان کردہ تفسیر کو جھٹلانے والا ، امت مسلمہ کے اجماع کی مخالفت کرنے والا اور سخت بد عقل و گمراہ و بد دین ہے۔

سوال: آیت ختم نبوت کو پیش نظر رکھتے ہوئے کم از کم ایک ممکنہ شبہ اور اس کا جواب از خود تحریر کیجیے۔

جواب: شبہ : اگر حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم آخری نبی ہیں تو پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام آپ کے بعد کیوں آئیں گے ؟ آخری نبی کے بعد کوئی نبی نہیں آنا چاہیے۔

توضیح: حضرت عیسی علیہ السّلام کا تشریف لانا نبی کی حیثیت سے نہیں بلکہ حضور کے امتی ہونے کی حیثیت سے ہو گا یعنی وہ اپنے وقت کے نبی ہیں اور اس وقت کے امتی ہوں گے۔ جیسے کوئی جج دوسرے جج کی کچہری میں گواہی دینے کے لیے جائے تو اگر چہ وہ اپنی کچہری میں جج ہے مگر دوسرے جج کی کچہری میں گواہ کہلائے گا۔ حضرت عیسی علیہ السّلام حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی امت میں ان کے دین کی نصرت و مدد کرنے کے لیے تشریف لائیں گے۔

﴿صَلُّوْا عَلَي الْحَبِيب!   صَلَّي اللهُ تَعَالٰي عَلٰي مُحَمَّد﴾

(تیسری فصل عصمت انبیا)

سوال: عصمت انبیا کی حکمت بیان کیجیے۔

جواب: حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کی اس عظیم الشان حفاظت و عصمت اور نگرانی کی وجہ ان کی بعثت کا مقصد ہے اور وہ یہ ہے کہ ان کے اقوال و افعال اور سیرت و حال کو حجت شرعیہ سمجھ کر ان کی اتباع اور اطاعت کی جائے۔

سوال: عصمت کا لغوی و اصطلاحی معنی بتائیے اور عصمت انبیا کا مطلب واضح کیجیے۔

جواب: **عصمت کا لغوی معنی:** اس کا لغوی معنی ہے گناہوں سے بچانا، روکنا، محفوظ رکھنا۔

عصمت کی تعریف: یعنی گناہوں پر قدرت ہونے کے باوجود ان سے بچنے کے ملکہ کو عصمت" کہتے ہیں۔

عصمت انبیا کا مطلب: عصمت انبیا کے یہ معنی ہیں کہ اُن کے لیے حفظ الٰہی کا وعدہ ہو لیا، جس کے سبب ان سے صدور گناہ شرعاً محال ہے۔ یعنی انبیائے کرام میں گناہ کی قدرت ہوتی ہے مگر اس کا صدور محال ہوتا ہے۔

سوال: عصمت انبیا کی کتنی اور کون کونسی صورتیں ہیں؟

جواب: **انبیائے کرام قبل نبوت اور بعد نبوت بالاجماع درج ذیل چار چیزوں سے معصوم ہیں:**

1 – مطلقاً گناہ کبیرہ کے ارتکاب سے۔

2- عمداً گناہ صغیرہ کے ارتکاب سے۔

3- ہر ایسا امر جو مخلوق کے لیے نفرت و دوری کا باعث ہو۔

4- ایسے افعال جو وجاہت و مروت اور معززین کی شان و مرتبہ کے خلاف ہوں۔

سوال: مختلف مواقع پر انبیا سے لغزش کا صدور ہوا، اس پر وضاحت دیجیے۔

جواب: انبیائے کرام علیہم السلام کی لغزش سے مراد ان کا وہ کام ، حالت یا کیفیت ہے جو بلحاظ منصب نبوت بظاہر خلاف اولیٰ ہو، مثلاً حضرت یوسف علیہ السّلام کا وہ خطرہ قلبیہ جس کے فوراً بعد برہان رب کا ظہور ہوا اور آپ گناہ سے باز رہے۔ اسی طرح نبی پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا قریش کی طرف کچھ تھوڑا سا مائل ہونے کے قریب ہونا جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی تثبیت یعنی عصمت ایزدی کی شان ظہور میں آئی۔ انبیائے کرام علیہم السّلام سے لغزش کے فوراً بعد عصمتِ الٰہیہ کا ظاہر ہونا اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ اگر انبیا سے لغزش کا صدور نہ ہوتا تو شانِ عصمت کا ظہور بھی نہ ہوتا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لغزش ہر گز عصمت کے خلاف نہیں۔

سوال: انبیا کی طرف ذنب کی نسبت سے متعلق کوئی دو تاویلات تحریر کیجیے۔

جواب: **پہلی تاویل:** ہر انسان پر اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتیں ہیں جن کا پورا پورا شکر ادا کر نا کسی کے بس میں نہیں، اگر کوئی ہر وقت شکر ادا کرتا رہے تب بھی کھانے پینے اور سونے کا وقت یوں ہی گزر جاتا ہے ، اور شکر میں ایسی کمی ہر گز گناہ نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہر لمحہ بڑھتی رہتی ہیں بالخصوص خاص لوگوں پر اور خاصوں کے سردار محمد مصطفے صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر کہ اللہ کی آپ پر ایسی نعمت ہے کہ ہر آنے والا لمحہ گزرے ہوئے لمحہ سے بہتر ہے اور آپ کی تو یہ شان ہے کہ آپ کا کھانا، پینا اور سونا بھی عبادت ہے ، مگر ان اوقات کی عبادت اصل عبادت سے ایک درجہ کم ہی ہے اور اسی کمی کو ذنب سے تعبیر کیا گیا۔اللہ پاک نے آپ اور آپ کے اصحاب پر جو عنایات فرمائیں ان کے شکر میں جس قدر کمی واقع ہوئی اس کے لیے استغفار کا حکم دیا گیا۔

دوسری تاویل: اس آیت میں ذنب کی نسبت نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی طرف کی گئی ہے:(لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَ مَا تَاَخَّرَ) ترجمہ: تاکہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے۔ لیکن یہ ہر گز گناہ یعنی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے معنی میں نہیں، کیونکہ آیت میں مذکور لفظ "مَا تَقَدَّمَ " سے مراد وحی نازل ہونے سے پہلے کے گناہ ہیں، گناہ، فرمان کی مخالفت کو کہتے ہیں اور فرمان، وحی سے معلوم ہوتا ہے۔ جب وحی ہی نہیں آئی تو فرمان نہیں تھا، جب فرمان نہیں تھا تو اس کی مخالفت نہیں ہوئی اور جب مخالفت نہیں ہوئی تو گناہ بھی نہیں ہوا۔ اسی طرح " ماتاخر " سے مراد وہ افعال ہیں جو زمانہ نزول کے شروع شروع میں جائز ہوئے پھر بعد میں ان سے منع کر دیا گیا۔ اور یہ بات بالکل واضح ہے کہ کسی چیز کے جائز ہونے کے بعد اس کو اختیار کرنا ہر گز گناہ نہیں ہوتا۔

سوال: نبی و غیر نبی کی طرف ذنب کی نسبت سے متعلق ضابطہ بیان کیجیے۔

جواب: ذنب یا عصیان کی نسبت کسی نبی کی طرف ہو تو اس سے یا تو سہو و نسیان مراد ہو گا، یا پھر جملہ شرطیہ کی صورت میں بفرض محال مراد ہو گا، وقوع مراد نہیں ہوگا۔ذنب یا عصیان کی نسبت اگر غیر نبی کی طرف ہو تو اس سے گناہ، اللہ کی نافرمانی اور سرکشی کرنا مراد ہوگا۔

سوال: انبیا کی طرف کفر و شرک کی نسبت ہو تو اس کا درست مفہوم کیا ہوگا؟

جواب: جہاں عصیان یا ذنب کے الفاظ کے علاوہ نبی کی طرف ایسے کام کی نسبت ہو جو کفر، شرک یا گناہ ہو وہاں بھی جملہ شرطیہ کی صورت میں بفرض محال والی صورت ہی مراد ہوگی ، یا وہ کلام بطریق تواضع ہوگا، یا وہاں خطاب مطلقاً سامع قرآن یا قاری قرآن یعنی امت محمدیہ سے ہوگا۔

سوال: نبی یا غیر نبی کی طرف ضلال کی نسبت ہو تو اس کے ترجمہ کا اصول ذکر کیجیے۔

جواب:لفظ ضلال کی نسبت کسی غیر نبی کی طرف ہو تو اسکا معنی گمراہی ہوگا خواہ کفر ہو یا شرک یا کسی بھی درجہ کی گمراہی۔

اگر لفظ ضلال کی نسبت کسی نبی کی طرف ہو تو اس کے معنی " وارفتہ محبت " یا راہ سے ناواقف " ہوں گے ایسی کسی آیت کا ترجمہ گمراہی نہیں کیا جا سکتا کیونکہ نبی ایک لمحہ کے لیے بھی گمراہ نہیں ہوتا۔

سوال: اگر انبیا لغزش سے بھی محفوظ ہیں تو انہیں عتاب کیوں ہوا؟

جواب : انبیائے کرام علیہم السلام کو خاص حکمتوں کے پیش نظر عتاب کیا گیا جنہیں وہ خود جانتے ہیں یا پھر اللہ پاک جانتا ہے، نیز یہ عتاب ایسے نہیں تھے جن سے ان کے مقام و مرتبے کی کمی کا گمان ہو بلکہ یہ عتاب کمال قرب اور محبوبیت کی بنا پر محبت آمیز خطاب کی صورت میں تھے۔

﴿صَلُّوْا عَلَي الْحَبِيب! صَلَّي اللہ تَعَالٰي عَلٰي مُحَمَّد﴾

(چوتھی فصل معجزات)

سوال: معجزہ کا لغوی و اصطلاحی معنی بیان کیجیے۔

جواب: معجزہ یعنی عاجز کر دینے والی چیز کہا جاتا ہے۔

معجزہ کی تعریف: معجزہ وہ کام ہے جو منکرین کے مقابلہ میں نبوت کا دعوی کرنے والے سے یوں خلاف عادت ظاہر ہوتا ہے کہ منکرین اس کی مثل لانے سے عاجز ہوتے ہیں۔

سوال: معجزہ و کرامت کے انکار کا حکم بیان کیجیے۔

جواب: کرامات اولیا کا انکار گمراہی ہے۔ جبکہ معجزات کا مطلقاً انکار کرنا کفر صریح ہے اور ایسا شخص کافر، ملحد اور زندیق ہے۔

سوال: خرق عادت کا معنی، صورتیں اور اقسام بیان کیجیے۔

جواب: خرق عادت کا معنی ہوتا ہے: "ہر وہ فعل جس کا صدور بار بار ہو، اس کی نسبت صانع کی طرف ہوتی ہے، جیسے کھانے سے بھوک کا مٹنا اور پینے سے پیاس کا بجھنا وغیرہ کہ صانع نے یہی عادت مقرر فرمائی ہے۔ اگر اس عادت کے خلاف فعل صادر ہو تو اسے خرق عادت یا خلاف عادت سے تعبیر کرتے ہیں، جیسے بے بغیر پیاس بجھنا اور کھائے بغیر بھوک مٹنا۔

خوارق عادت کی مختلف صورتیں:

بغیر باپ کی پیدائش، بے آب و غذا زندہ رہنا، مردے زندہ کرنا، انگلیوں سے چشمے جاری ہونا، پتھر سے اونٹنی پیدا ہونا، چاند کے دو ٹکڑے کر دینا، معراج، طی زمان و مکان، حیوانات کا تابع فرمان ہونا، بے جان اشیاء کا کلمہ پڑھنا، دور دراز مقام کا مشاہدہ کرنا، کسی چیز کی اصل کو بدلنا۔

خوارق عادت کی سات قسمیں ہیں:

معجزہ : جو خلاف عادت چیز نبی سے اعلان نبوت کے بعد صادر ہو، اسے " معجزہ " کہتے ہیں۔

کرامت: جو خلاف عادت چیز ولی سے صادر ہو، اسے کرامت " کہتے ہیں۔

معونت : جو خلاف عادت چیز عام مومنین سے صادر ہو، اسے "معونت " کہتے ہیں۔

ارہاص: جو خلاف عادت چیز نبی سے قبل نبوت ظاہر ہو، اسے "ارہاص " کہتے ہیں۔ اسے کرامت میں بھی شمار کیا جاتا ہے اور مجازاً معجزہ " بھی کہہ دیا جاتا ہے۔

استدراج جو خلاف عادت چیز کافر یا فاسق سے اس کے موافق ظاہر ہو، اسے استدراج " کہتے ہیں۔

اہانت جو خلاف عادت چیز کا فریا فاسق سے اس کے ارادے کے خلاف ظاہر ہو، اسے اہانت " کہتے ہیں۔

سحر : جو خلاف عادت چیز عملیات کے ذریعے شیاطین کی مدد سے ظاہر ہو، اسے "سحر" کہا جاتا ہے۔

سوال: معجزے اور جادو میں فرق بتائیے۔

جواب:وہ معجزات جن کا تعلق کسی چیز کی تبدیلی سے ہوتا ہے ان میں شے کی حقیقت ہی بدل جاتی ہے،ایسا نہیں ہوتا کہ شے اپنی سابقہ حقیقت پر برقرار رہے اور لوگوں کی نظروں میں دوسری شے ہو، البتہ سحر میں اصل شے بالکل بھی متغیر نہیں ہوتی۔

سوال: قرآن پاک میں معجزے کے لیے کتنے اور کون کون سے کلمات آئے ہیں ؟

جواب: قرآن پاک میں معجزات کے لیے درج ذیل تین کلمات مذکور ہوئے ہیں:

(1) آیات (2) بینات (3) برہان

سوال: مدعی نبوت سے خارق عادت کام صادر نہیں ہو سکتا، مدعی الوہیت سے ہو سکتا ہے ، وجہ بتائیے۔

جواب: اگر کوئی الوہیت کا مدعی ہو تو اس سے خرق عادت کام اس کے موافق ظاہر ہو سکتا ہے،کیونکہ ظاہر حال اس کا عالم حادث میں پیدا ہونا اور ضروریات زندگی کے لیے محتاج ہونا وغیرہ وہ امور ہیں جو اس کے دعوے کی تکذیب کے لیے کافی ہیں۔

سوال: کیا انبیائے کرام اور اولیائے عظام خارق عادت کام کے صدور میں مجبور محض ہیں؟

جواب: امور عادیہ ہوں یا غیر عادیہ، بعض چیزوں میں بندے کے کسب و اختیار کو دخل ہوتا ہے اور بعض میں نہیں ہوتا، مثلاً بندہ اپنے کسب و اختیار سے آنکھ کھول سکتا ہے، لیکن بصارت اس کے کسب و اختیار سے باہر ہے، یعنی وہ ایسا نہیں کر سکتا کہ آنکھ کھولنے کے بعد نہ دیکھے۔ بالکل اسی طرح وحی و الہام کی کیفیات بھی کسب و اختیار سے باہر ہوتی ہیں۔ جو معجزات و کرامات احوال و کیفیات سے متعلق ہیں ان میں نبی و ولی کے کسب و اختیار کا دخل نہیں ہوتا، جبکہ جن کا تعلق افعال سے ہے وہ ان کے کسب و اختیار میں ہوتے ہیں۔ عام انسانوں کو امور عادیہ کا اور انبیا و اولیا کو خوارق عادت امور کا اختیار دیا جاتا ہے۔

﴿صَلُّوْا عَلَي الْحَبِيب! صَلَّي اللهُ تَعَالٰي عَلٰي مُحَمَّد﴾

(پانچویں فصل شفاعت)

سوال: شفاعت کا لغوی مفہوم اور اصطلاحی معنی بیان کیجیے۔

جواب: **شفاعت کا لغوی معنی و مفہوم:**

کسی کا مددگار اور درخواست گزار ہوتے ہوئے اس کے ساتھ مل جانا شفاعت ہے۔ عام طور پر مقام و مرتبہ میں بلند شخص کے کم درجہ شخص کے ساتھ ملنے کے معنی میں اس کا استعمال کیا جاتا ہے۔

شفاعت کی اصطلاحی تعریف:

کسی سے عاجزی کے طور پر کسی اور کے لیے بھلائی پہنچانے اور ضرر سے بچانے کا سوال کرنا۔

سوال: شفاعت کی اقسام کا خاکہ پیش کیجیے۔

جواب: **بنیادی طور پر شفاعت کی دو قسمیں ہیں:** (ا)۔ شفاعت دنیوی۔ (۲) شفاعت اخروی

- شفاعت دنیاوی کی دو قسمیں ہیں : (ا) شفاعت حسنہ (۲) شفاعت سیئہ
- شفاعت اخروی کی دو قسمیں ہیں : (ا) شفاعت صغریٰ۔ (۲) شفاعت کبریٰ

سوال: شفاعت صغری پر قرآن وحدیث کی روشنی میں کلام کیجیے۔

جواب: **شفاعت صغری:** تمام انبیائے کرام، اولیائے کرام، شہدا اور حفاظ کو اللہ تعالیٰ کے اذن سے شفاعتِ صغری نصیب ہوگی وہ اپنے درجہ اور مرتبہ کے لحاظ سے شفاعت فرمائیں گے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے: (وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضَى) ترجمہ: اور شفاعت نہیں کرتے مگر اس کے لئے جسے وہ پسند فرمائے۔ (پ 17 الانبیاء: 28)۔

پیارے آقا صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم اپنا حق واضح ہونے کے بعد مجھ سے اس قدر شدت سے اس کا مطالبہ نہیں کرتے جتنی شدت سے قیامت کے دن مسلمان اپنے رب سے کریں گے جب وہ دیکھیں گے کہ وہ نجات پاچکے ہیں تو (اپنے مسلمان بھائیوں کے حق میں مطالبہ کریں گے) وہ کہیں گے : اے ہمارے رب! ہمارے بھائی ہمارے ساتھ نمازیں پڑھتے تھے ، روزے رکھتے تھے اور ہمارے ساتھ ہی (نیک) کام کرتے تھے (تو نے انہیں جہنم میں ڈال دیا ہے ! تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا : جاؤ اور جس کے دل میں ایک دینار برابر بھی ایمان پاؤ اسے نکال لاؤ، اور اللہ تعالیٰ ان کے چہروں کو آگ پر حرام فرمادے گا، وہ ان کے پاس آئیں گے تو ان کی حالت یہ ہوگی کہ بعض قدموں تک اور بعض پنڈلیوں تک آگ میں جل رہے ہوں گے۔ چنانچہ نجات یافتہ مؤمنین جن کو پہچانیں گے انہیں نکال لیں گے اور اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے تو اللہ فرمائے گا : جس کے دل میں آدھے دینار کے برابر ایمان پاؤ اسے بھی نکال لاؤ۔ وہ (جائیں گے اور) جس کو پہچانیں گے

اسے نکال لیں گے اور اللہ کی بارگاہ میں دوبارہ حاضر ہوں گے تو اللہ فرمائے گا: جاؤ اور جس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان پاؤ اسے بھی نکال لاؤ چنانچہ وہ جس کو پہچانیں گے نکال لیں گے۔

سوال: شفاعت اُخروی کی تینوں بنیادوں کا ماخذ ذکر کیجیے۔

جواب: شفاعت اخروی کی بنیاد تین چیزوں پر ہے:

(1) وجاہت (2) محبت (3) اذن

سوال: شفاعت کی شرائط وضاحت کے ساتھ لکھیے۔

جواب: شفاعت کے لیے درج ذیل چار شرائط ہیں:

(1) قدرت: شفاعت کے لیے ضروری ہے کہ شفیع کو شفاعت کرنے پر قدرت ہو ، لہذا مشرکین کے گھڑے ہوئے بت شفاعت نہیں کر سکتے ، کیونکہ وہ اس کی قدرت نہیں رکھتے۔

(2) اسلام: شفاعت کے لیے ضروری ہے کہ شفاعت کرنے والا مسلمان ہو، لہذا کفار شفاعت کے حق دار نہیں ہوں گے۔ بلکہ یوں سمجھیے کہ اس شرط سے انبیا و اولیا کی شفاعت کا ثبوت مقصود ہے۔

(3) اذن: شفاعت کے لیے ضروری ہے کہ شفیع کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے شفاعت کی اجازت ہو ، لہذا ممنوع الشفاعۃ لوگ شفاعت نہیں کر سکیں گے۔

(4) رضا: شفاعت کے لیے ضروری ہے کہ جس کی شفاعت کی جارہی ہے اللہ تعالیٰ اس کی شفاعت سے راضی ہو ، لہذا بعض گناہ گار ایسے بھی ہوں گے جنہیں جہنم میں داخل کر دیا جائے گا اور ان کی شفاعت نہیں کی جائے گی، وہ اپنی سزا بھگتیں گے اور پھر اللہ پاک اپنے فضل و کرم سے انہیں جنت میں داخل فرمائے گا۔

سوال: شفاعت کی علت غائیہ کو خلاصہ بیان کیجیے۔

جواب: اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن قبولیت شفاعت کا مژدہ سنایا ہے کہ روز محشر ہولناک صورتِ حال میں وہ اپنے محبوبوں کو اذن شفاعت عطا فرمائے گا، یہی " اذن " رحمت الہی کا بسط ہے، یعنی بندوں کے لیے شفاعت کی ہمت پیدا کرنا۔ اور جس کامل و برگزیدہ ہستی کو اذن شفاعت ملے گا ان کا کمال ان کے پیروکاروں کے نقص کو پورا کر دے گا، یہی احاطہ وہبی ہے یعنی کامل کے پیروکار اپنے شفیع کی شفاعت سے حصہ پائیں گے۔ ظاہر ہے کہ کامل کی پیروی بغیر ایمان اور بغیر درست عقائد کے محال ہے ، اس لیے کہا گیا کہ کفار و منافقین کی شفاعت نہیں ہوگی۔

سوال: شفاعت کی مختلف صورتوں پر روشنی ڈالیے۔

جواب: **شفاعت صرف درجات کی بلندی یا گناہوں کی معافی کے لیے ہی نہیں ہوگی بلکہ شفاعت کی مختلف صورتیں ہیں:**

- محشر کی ہولناکی سے مخلوق کو راحت دینا۔
- بے حساب جنت میں داخل کروانا۔
- اطاعت میں کمزوری سے درگزر فرمانا۔
- درجات بلند کروانا، عذاب میں تخفیف کروانا
- مشرکوں کے نابالغ بچوں کا جنت میں جانا۔
- حساب کے بعد مستحق جہنم ہونے کے باوجود جہنم میں جانے سے بچالینا وغیرہ۔

سوال: شفاعت اور دعا کی مفہومی یکسانیت ذکر کیجیے۔

جواب: بارگاہ الٰہی میں کسی کے دوسرے کی شفاعت کرنے یا اس کے لیے دعا کرنے میں کوئی فرق نہیں ہے، یہ دونوں لفظ مفہومی یکسانیت رکھتے ہیں اور دعا کے دو ہی پہلو ہو سکتے ہیں:

(1) یا تو کار خانہ قضا و قدر میں کسی کی دعا حصول نفع یا دفع ضرر میں اثر نہیں رکھتی۔

(2) یا پھر تکمیل مقاصد، حصولِ مطالب اور رفع مصائب کا ایک مؤثر ذریعہ ہوتی ہے۔

پہلی صورت یقیناً باطل اور قرآن و سنت کی صریح نصوص کے خلاف ہے، نیز دعا کی فضیلت اور بارگاہ الٰہی میں اس کی مقبولیت کا انکار صریح کفر ہے لہذا دوسری صورت ہی متعین ہوگی۔ اور یہ بات بھی مسلم ہے کہ انبیائے کرام، اولیائے کرام اور نیک مسلمانوں کی دعائیں زیادہ قبول ہوتیں اور حصولِ مراد کا ذریعہ بنتی ہیں، نیز ہر شخص کو اپنے اور دوسروں کے لیے دعا کرنے کی اجازت بھی ہے، البتہ یہ ضروری ہے کہ اس دعا کی ممانعت نہ ہو۔ من و عن یہی صورت شفاعت کی بھی ہے کہ مشفوع لہ کی شفاعت ممنوع نہ ہو، بلکہ شفاعت کرنے والا مقرب ہو۔

سوال: مرتکب کبیرہ کی شفاعت سے متعلق اہل سنت کا موقف لکھیے۔

جواب: جو گناہ قابلِ مغفرت ہے وہ قابلِ شفاعت بھی ہے اور جو قابلِ مغفرت نہیں اس کی شفاعت نہیں ہو سکتی اور نہ ہی کی جائے گی، مثلاً کفر و شرک کے علاوہ ہر گناہ قابل مغفرت ہے۔

سوال: نفی شفاعت اور اثبات شفاعت والی آیات کو سمجھنے کا ضابطہ لکھیے۔

جواب: جن آیات میں شفاعت کی نفی ہے، وہاں تین صورتوں میں سے کوئی ایک صورت ہوگی:

(1) بلا اجازت شفاعت (2) کفار کی شفاعت (3) بتوں کی شفاعت

جن آیات میں شفاعت کا ثبوت ہے وہاں اللہ کی اجازت سے وجاہت و محبت کی بنیاد پر اس کے محبوب بندوں کی مومنوں کے حق میں ہونے والی شفاعت مراد ہے۔

سوال: خلودِ نار والی آیات کو سمجھنے کا ضابطہ تحریر کیجیے۔

جواب: جن آیات میں "خلود" کے ساتھ کفر و شرک کے علاوہ کسی گناہ کا ذکر ہے وہاں مکث طویل یعنی لمبے عرصے تک جہنم میں رہنا مراد ہے، نہ کہ ہمیشہ جہنم میں رہنا، کیونکہ نصوص شرعیہ اور لغت کے مطابق خلود تابید کو مستلزم نہیں، بالآخر کفر و شرک کے علاوہ کسی بھی درجہ کا گناہ گار مشیت الہی سے ضرور بخشا جائے گا اور ایسے افراد کی شفاعت بھی مغفرت کی طرح ضرور ممکن ہوگی۔

جن آیات میں خلود کے ساتھ کفر و شرک کا ذکر ہو وہاں ہمیشہ جہنم میں رہنا مراد ہوگا۔ایسے شخص کی نہ مغفرت ہوگی نہ شفاعت۔

جہاں قتل کے ساتھ خلود کا ذکر ہے وہاں تابید اس صورت میں مراد ہو گی کہ مؤمن کا قتل حلال سمجھ کر کیا جائے، کیونکہ یہ کفر ہے، ورنہ تابید نہیں، بلکہ مکث طویل مراد ہوگا اور قتل گناہ کبیرہ شمار ہوگا۔ یہ اصول تمام گناہوں کے لیے عام ہے۔

سوال: تقدیر کی بنیاد پر نفی شفاعت پر پیدا ہونے والا شبہ اور اس کی توضیح لکھیے۔

جواب: شبہ: جس شخص کے لیے بخشش مقدر ہو چکی ہے تو اس کو شفاعت سے کیا فائدہ ہو گا؟ کیونکہ جو تقدیر میں لکھا ہے وہ تو بغیر شفاعت کے بھی ہو سکتا ہے۔ اسی طرح جس شخص کے لیے بخشش مقدر ہی نہ ہوئی تو شفاعت اس کی مشکل کشائی کا ذریعہ کس طرح بنے گی ؟

توضیح : یہ شبہ محض ایک وہم ہے ، اگر یہ درست ہو تو اعمال شرعیہ کی تکلیف بلکہ تمام دینی و دنیاوی کوششیں باطل و بے فائدہ ہو جائیں گی، کیونکہ یہ صورت ہر جگہ جاری کی جاسکتی ہے ، مثلاً نماز کے بارے میں کوئی کہہ سکتا ہے کہ اگر کسی کے لیے بخشش مقدر کر دی گئی ذذ تو نماز نہ پڑھنے سے اسے کیا نقصان ہوگا ؟ اور اگر بخشش مقدر میں ہی نہیں تو نماز پڑھنے سے کیا فائدہ حاصل ہوگا ؟ اس شبہ کا حل یہ ہے کہ ہم مجرم کی بخشش کو تقدیر میں ایک شرط کے ساتھ معلق مانیں ، وہ یہ کہ اگر کوئی مقرب ہستی کسی کے جرم کی معافی چاہے تو اللہ معاف فرمادے گا، کیونکہ ناکامی اور کامیابی جریدہ تقدیر میں اس شرط کے ساتھ معلق ہیں کہ اگر فلاں شخص ایمان لائے گا اور نیک عمل کرے گا تو وہ کامیاب ہوگا اور اگر برے کام کرے گا تو ناکامی کا شکار ہوگا۔

سوال: کفر لزومی اور التزامی کی تعریف بیان کیجیے۔

جواب:**کفر التزامی:** وہ یہ ہے کہ ضروریات دین میں سے کسی چیز کا صراحۃ خلاف کرے اگر چہ خود کو مسلمان کہے، اور اس کی بات میں ایسے کسی معنی کی گنجائش نہ ہو جو قائل کو کفر سے بچالے۔ کفر التزامی قطعا اجماعا کفر ہے ۔

کفر لزومی: وہ یہ ہے کہ کوئی بات عین کفر نہ ہو لیکن کفر کی طرف لے جانے والی ہو ، اور اس میں کسی معنی صحیح کا بھی احتمال ہو۔

سوال: انکار شفاعت کا حکم تحریر کیجیے۔

جواب: شفاعت حق ہے اور نفس شفاعت کا انکار بلکہ اس میں توقف کرنا بھی کفر ہے، شفاعت کا مطلقاً انکار کرنے والا کافر ہے ۔

﴿صَلُّوْا عَلَي الْحَبِيب! صَلَّي اللّٰه تَعَالٰي عَلٰي مُحَمَّد﴾

{دوسرا حصہ : مسائل قرآنیہ}

{ پہلا باب ذات باری تعالیٰ کی متعلق مسائل }

سوال: کائنات کا وجود اللہ تعالی کے وجود کی دلیل کس طرح ہے؟

جواب:مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ پوری کائنات، آسمان زمین، چاند سورج، ستارے سیارے، سمند ر صحرا، پہاڑ ٹیلے اور تمام جمادات، حیوانات اور نباتات سمیت احساسات، خواہشات افعال اور اعمال وغیرہ ہر چیز کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ مسلمانوں کا یہ عقیدہ محض مذہبی تعلیمات کا ایک تسلسل ہی نہیں بلکہ ہر انسان کی کامل عقل اور سلیم فطرت کا بنیادی تقاضا بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پاک کلام قرآن مجید میں اسلام کے اس بنیادی نظریہ کو آفاقی مشاہدات ، ذاتی احساسات اور بدیہی امور کی طرف توجہ دلا کر بیان کیا ہے ، اور ساتھ ہی ساتھ اسے قطعی دلائل سے بھی اس قدر روشن فرمایا ہے کہ ذہین و فطین شخص سے لیکر عام انسان تک کسی کے لیے بھی اس کائنات کے بنانے والے کے وجود کے انکار کی گنجائش نہیں رہتی۔

سوال: منکرین وجود باری تعالیٰ کا شبہ اور اس کی وضاحت لکھیے۔

جواب: **منکرین کا شبہ**

منکرین وجود باری یہ کہتے چلے آئے ہیں کہ تمام موجودات کا ظہور کسی خالق و صانع کے بغیر محض اتفاقی طور پر ہو گیا ہے ، موجودات کائنات کی یہ نظم و ترتیب اور ان کا آپس میں مناسب ربط جس کا ہم روز و شب مشاہدہ کر رہے ہیں محض اتفاقی ہے، کسی خالق و صانع کی خلقت اور صنعت کا نتیجہ نہیں ۔

شبہ کا ازالہ

نفسیات انسانی کے پیش نظر ایسے شبہ کا ازالہ اس طرح ہوتا ہے کہ انسان جب کسی نظام میں وسعت اور ترتیب کا مشاہدہ کرتا ہے تو وہ یہ سمجھنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ اس قدر وسیع اور مرتب نظام خود بخود قائم نہیں ہوا بلکہ کسی نے اسے قائم کیا ہے، اور جہاں کہیں بے ترتیبی دیکھتا ہے تو فوراً سمجھ لیتا ہے کہ یہ بے ترتیبی محض اتفاق ہے اور کچھ نہیں۔اگر وہ ایک عالی شان عمارت سے گزرے ، اس کی تعمیر عمدہ ترتیب پر دیکھے اور اس میں ہر قسم کا ساز و سامان نفاست سے رکھا ہوا نظر آئے تو اس کا ذہن ہر گز اس بات کو قبول نہیں کرے گا کہ "یہ بہترین نظم و ترتیب اور ہر چیز کا سلیقے کے ساتھ اپنی جگہ پایا جانا خود بخود ہو گیا ہے، محض اتفاقی طور پر یہ بہترین عمارت از خود تعمیر ہو گئی ہے اور اس کا ساز و سامان ہواؤں کے چلنے اور بارشوں کے ہونے کی وجہ سے اتفاقی طور پر یہاں پہنچ گیا ہے ! بلکہ وہ یہ سمجھنے پر مجبور ہو گا کہ اس عالی شان مکان کی تعمیر و تزئین، اس کے جملہ لوازمات اور کل ساز و سامان کسی دانشور کی تنظیم و تعمیر کا نتیجہ ہے۔

سوال: مشرکین، خالق کا اقرار کرتے ہیں، ان کے شرک کی بنیادی وجہ کیا ہے؟

جواب: مشرکین نے وجود الہی کا انکار نہیں کیا مگر اپنی عقل کے بل پر اس کو تلاش کرنے لگے اور اپنی خواہش کے مطابق اس کو ماننا چاہا تو اوندھے منہ گر پڑے۔ چونکہ خدا تک رسائی کا ذریعہ خود تراشا، جس کی پہچان حاصل کرنی تھی اس کے فراہم کر دہ ذرائع یعنی انبیا کو فراموش کر بیٹھے، انبیا کے معجزات و دلائل کا مقابلہ نہ کر سکنے کے باجود انہیں جھٹلایا تو خدا کا وجو دمان کر بھی منکر ٹھہرے کیونکہ اس طرح خدا کی ربوبیت کو تسلیم کرنا اسے مانا نہیں بلکہ اپنی خواہش کو پورا کرنا اور مرضی کا نیا خد ابنانا ہے جو شرک ہے۔

سوال: خالق کائنات کے اقرار کو فطرت کا تقاضا کہا گیا ہے تو ملحد اس کا منکر کیوں ہے؟

جواب: انسان جب مبارک پیغمبروں کا دامن چھوڑ کر خدا کی تلاش شروع کر دے تو دو ہی صورتیں ہوتی ہیں: (ا) یا تو وہ شخص شرک کی گہری کھائی میں جاگرتا ہے ، (۲) یا پھر عقل انسانی سے ماورا ہستی خدا تعالیٰ کا سرے سے منکر ہو کر ملحد بن جاتا ہے۔ حالانکہ خالق حقیقی کے فطری تصور کا انکار بجائے خود ایک ناممکن امر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایسا شخص یا تو زمانے کو مؤثر قرار دینے لگتا ہے ، یا کسی نہ کسی " کے لیے وصف خالقیت و قدرت کو کہیں نہ کہیں ضرور تسلیم کرتا ہے، جبکہ درحقیقت اسے تعبیر میں مغالطہ ہو رہا ہوتا ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات وحدہ لاشریک کے ساتھ مختص کاموں کو دہر یعنی زمانے کی طرف منسوب کرنا شروع کر دیتا ہے یا پھر اپنے ضمیر کی اس آواز کو دبا کر اس بحث کو ہی چھوڑ بیٹھتا ہے اور لاادریت کی راہ لے لیتا ہے۔

سوال: ذات باری تعالی سے متعلق پانچ ضروری باتیں ذکر کیجیے۔

جواب: **اللہ تعالیٰ کی ذات سے متعلق بنیادی باتیں:**

1 – واحد: اللہ تعالیٰ ایک ہے ، اس کا کوئی شریک نہیں، نہ ذات میں نہ ہی صفات میں۔

2- اول وآخر: اللہ تعالیٰ اول بھی ہے اور آخر بھی ، اول سے مراد حقیقی اول ہے جس کے لیے ابتدا نہیں، اور آخر سے مراد حقیقی آخر ہے جس کے لیے انتہا نہیں۔

3- واجب الوجود اللہ تعالیٰ واجب الوجود ہے: یعنی اللہ تعالیٰ کا ہونا ضروری ہے اور نہ ہونا محال ہے۔ وہ اپنے وجود کے لیے کسی کا محتاج نہیں بلکہ اس کی ذات از خود موجود ہے، کوئی سبب، وجہ یا علت اس کے وجود کا ذریعہ نہیں، تمام مخلوق اپنے وجود کے لیے اس کی محتاج ہے اور وہی ہر چیز کا خالق ہے۔ واجب الوجود کا یہ مفہوم اللہ تعالیٰ کی صفات " اول و آخر " کے ضمن میں موجود ہے۔

4- قدیم: اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات قدیم ہیں ، یعنی اللہ تعالیٰ اپنی صفات کے ساتھ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا، ازلی و ابدی کے بھی یہی معنی ہیں۔

5- تنزیہ جسمانیت: اللہ تعالیٰ جسم و جسمانیت، ترکیب و جمع اور جہات سے پاک اور موجود بلامکان ہے،نہ وہ کسی جگہ میں اترکر اس کو بھر سکتا ہے اور نہ ہی کوئی جگہ اس کا احاطہ کر سکتی ہے۔

سوال: درج ذیل اصطلاحات کی وضاحت کیجیے:

(1) واجب: واجب کا اطلاق قائم بنفسہ پر ہوتا ہے، یعنی جو از خود قائم ہو، جیسے اللہ تعالی کی ذات۔

(2) قدیم: قدیم کا اطلاق اس پر بھی ہو سکتا ہے جو قائم بنفسہ نہ ہو بلکہ ذات سے متعلق ہو کر قائم ہو ، جیسے صفات باری تعالیٰ۔

(3) عناصر اربعہ: پانی، ہوا، آگ، مٹی۔

(4) موالید ثلاثہ: حیوانات، نباتات، جمادات۔

سوال: میثاق کا کیا معنیٰ ہے نیز روز میثاق سے کیا مراد ہے؟

جواب: میثاق کا معنی ہے "اقرار، عہد وپیمان روز میثاق سے مراد وہ خاص دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے ان کی اولاد کو نکال کر اپنی ربوبیت کا عہد لیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ؟ سب نے جواب دیا: کیوں نہیں۔ اس دن سب نے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت و وحدانیت کا اقرار کیا تھا۔

سوال: خدا کو ماننے والے تینوں گروہ کی نشاندہی اور ان کے درمیان فرق کو واضح کیجیے۔

پہلا گروہ: وہ جو توحید کا درست مفہوم سمجھ کر صراط مستقیم پر گامزن رہتا ہے۔ فی زمانہ یہی جماعت عرف عام میں "مسلمان"، "سنی" یا " اہل السنۃ " جیسے مقدس ناموں سے پہچانی جاتی ہے۔

دوسرا گروہ: وہ جو خدا تعالیٰ کے وجود کو کسی نہ کسی طرح تسلیم کرتا ہے، مگر یا تو اس خالق حقیقی کی طرف سے بھیجے جانے والے نبیوں کی تعلیمات کو فراموش کر کے ان ہی کو معبود سمجھنے لگتا ہے، یا پھر انبیائے کرام کو سرے سے فراموش کر کے اپنی رعونت کے ہاتھوں مجبور ہو کر جو سمجھ آتا ہے اس کو خدا بنا لیتا ہے اور خیر و شر ، نفع و نقصان اور طرح طرح کے متضاد امور کے لیے الگ الگ مؤثر تسلیم کر لیتا ہے ، یوں شرک کے گڑھے میں جا گرتا ہے۔ فی زمانہ یہ گروہ مشرک"، "کرسچین " اور اپنے دیگر مذہبی ناموں سے متعارف ہے۔

تیسرا گروہ: وہ جو توحید کا درست مفہوم اور اس کے بنیادی عناصر کو سمجھے بغیر صراط مستقیم پر چلنے کی خواہش رکھتا ہے ، یہ ظاہر میں توحید کا بڑا علمبر دار دکھتا ہے ، حتی کہ اپنی شہرت کی بنیاد ہی توحید کو بنانے میں بجتا رہتا ہے لیکن اس کی آڑ میں نہایت سنگین جرائم کا مرتکب ہو جاتا ہے ، توحید کو شرک سے الگ کرنے والی باریکیوں کو فراموش کر کے انبیا و اولیا کی شان میں نازیبا کلمات کہتا اور ان عظیم ہستیوں کی تعظیم کرنے کی بنا پر صراط مستقیم پر گامزن مسلمانوں پر شرک جیسی ناپاک تہمت لگانا شروع کر دیتا ہے حالانکہ یہ گروہ خود گمراہ و بد دین اور بعض صورتوں میں کفر میں مبتلا لوگوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ یہ گروہ گمراہ "، بد مذہب " یا اپنے دیگر مشہور مذہبی ناموں سے پہچانا جاتا ہے اور سواد اعظم کے مقابلے میں ایک چھوٹے سے طبقے کی نمائندگی کرتا ہے۔

سوال: توحید کا معنیٰ اور اس کی وضاحت لکھیے۔

جواب: توحید کا لغوی معنی ہے: "کسی چیز پر ایک ہونے کا حکم لگانا اور کسی چیز کے ایک ہونے کا علم ہونا۔ اور اہلِ حقیقت کی اصطلاح کے مطابق توحید کا معنی ہے: "ذہن و گمان میں آنے بوالی ہر چیز سے اللہ کی ذات کو یکتا سمجھنا"۔

آسان لفظوں میں توحید کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس کی ذات اور صفات میں شریک سے پاک ماننا یعنی جیسا اللہ ہے ویسا ہم کسی کو نہ مانیں، اگر کوئی کسی دوسرے کے لیے ویسا ہی اعتقاد رکھتا ہے جیسا اللہ تعالیٰ کے لیے رکھتا ہے تو وہ ذات میں شرک کرتا ہے۔

سوال: صفات باری تعالیٰ میں شرک کا مطلب بیان کیجیے۔

جواب: اللہ تعالی اپنی ذات اور صفات میں کسی کا محتاج نہیں، یعنی اللہ تعالیٰ کا وجود کسی کا دیا ہوا نہیں بلکہ وہ اپنے وجود میں مستقل ہے ، اسی طرح وہ اپنی تمام صفات مثلاً علم ، سمع اور بصر وغیرہ میں بھی مستقل ہے، کسی نے اس کو جاننے، سننے یا دیکھنے کی طاقت نہیں دی۔ جبکہ جتنی بھی مخلوق سننے کی طاقت یا دیکھنے کی صلاحیت رکھتی ہے یا اس کے اندرحیات پائی جاتی ہے وہ خود بخود ان خوبیوں سے بہرہ مند نہیں ہوئی بلکہ وہ سب اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمت کی وجہ سے ہے اور کسی بھی مخلوق میں ان اوصاف کا پایا جانا عارضی ہے۔

سوال: مراتب توحید کتنے اور کون کون سے ہیں؟

جواب: توحید کے چار مراتب ہیں:

(1) اللہ تعالیٰ کو واجب الوجود تسلیم کرنا اور اس کے علاوہ کسی کو بھی واجب الوجو د نہ ماننا۔کہ

(2) تمام روحانی اور مادی عالم کا خالق اللہ تعالیٰ ہی کو جاننا۔

(3) آسمان، زمین اور ان کے درمیان کی چیزوں میں تمام تدابیر اور تصرفات کو اللہ تعالیٰ ہی کی ذات کے ساتھ مخصوص سمجھنا۔

(4) اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی دوسرے کو مستحق عبادت نہ جاننا۔

سوال: شرک کی تعریف اور اس کی وضاحت لکھیے۔

جواب: شرک یہ ہے کہ خدا کی الوہیت میں کسی کو اس طرح شریک کرنا کہ کسی کو واجب الوجود مان لینا، جیسا کہ مجوسیوں کا عقیدہ ہے، یا خدا کے سوا کسی کو عبادت کا حق دار ماننا، جیسا کہ بت پرستوں کا خیال ہے۔وضاحت یاد رہے ! شرک کی حقیقت اللہ تعالیٰ سے مساوات پر ہے ، یعنی جب تک کسی کو ذات ، کمال یا تعظیم میں رب کے برابر نہ مانا جائے اس وقت تک شرک نہیں ہوگا۔

سوال: شرک کی کتنی اور کون کون سی صورتیں ہیں؟ مختصرا بیان کیجیے۔

جواب: قرآن پاک میں شرک کی درج ذیل پانچ صوتیں بیان کی گئی ہیں:

(1) اللہ کو ایک مان کر اس کی اولاد ماننا: کسی کو خدا کا ہم جنس ماننا، جیسے مشرکین عرب فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں مانتے تھے، نیز عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اور یہودی حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مانتے تھے۔

(2) چند مستقل خالق ماننا: کسی کو اللہ تعالی کی طرح مستقل خالق مانا جائے، جیسے عرب کے بعض مشرکوں کا عقیدہ تھا کہ "خیر" کا خالق اللہ ہے اور "شر" کا خالق کوئی دوسر ارب ہے ابھی پارسی یہی مانتے ہیں اور خالق خیر کو "یزداں" جبکہ خالق شر کو "اہر من" کہتے ہیں۔

(3) زمانہ کو مؤثر ماننا: زمانہ کو مؤثر مانا جائے اور خدا کی ہستی کا انکار کیا جائے، جیسا کہ بعض مشرکین عرب کا عقیدہ تھا۔ چونکہ یہ طبقہ خدا وحدہ لاشریک کی صفت تکوین میں زمانے کو شریک مانتا تھا، لہذا شرک میں مبتلا تھا۔

(4) اللہ کو ایک مان کر اسے تھکن کی وجہ سے معطل ماننا: خالق کو ہر چیز کا رب تسلیم کرنا مگر تخلیق کے بعد اس کی طرف تھکاوٹ کو منسوب کر کے اس کو معطل ماننا کہ تخلیق کائنات کے بعد اب وہ کسی کام کا نہیں رہا، لہذا اس کی خدائی چلانے والے ہمارے بنائے ہوئے معبود ہیں۔ معاذ اللہ

(5) اللہ کو خالق و مالک مان کر اسے کسی دوسرے کا محتاج ماننا: ہر ذرہ کا خالق و مالک اللہ تعالیٰ ہی کو ماننا مگر ساتھ ساتھ یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ اتنی بڑی کائنات کو اکیلا نہیں سنبھال سکتا، لہذا اللہ تعالیٰ نے اپنی مجبوری کی وجہ سے بعض بندے عالم کا نظام سنبھالنے کے لیے چن رکھے ہیں جو بندہ ہونے کے باوجود اس پر دھونس جما سکتے ہیں۔

سوال: سورہ اخلاص کا خلاصہ تردید شرک کے تناظر میں پیش کیجیے۔

جواب: قرآن پاک میں شرک کی پانچ صورتیں بیان ہوئی ہیں جن کو سورہ اخلاص میں اجمالاً اس طرح بیان کیا گیا ہے:

قُلْ هُوَ اللهُ میں دہریوں کا رد ہے کہ اللہ تعالیٰ عالم کا خالق ہے۔

اَحَدٌ: میں ان مشرکوں کا رد ہے جو عالم کے دو خالق مستقل مانتے تھے تا کہ عالم کا کام چلے ، نیز نصرانیوں اور ستارہ پرستوں کا بھی رد ہے کہ وہ شرک میں مبتلا ہیں۔

اللہ الصمد: میں اللہ کے علاوہ کسی اور کو خالق ماننے والوں کا رد ہے

لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَد: ان میں ان مشرکین کا رد ہے جو حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر علیہما السلام کو رب تعالیٰ کا بیٹا یا فرشتوں کو رب تعالیٰ کی بیٹیاں مانتے تھے۔

وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ: میں ان لوگوں کا رد ہے جو خالق کو تھکا ہوامان کر مدبرِ عالم اوروں کو مانتے تھے۔

سوال: شرک کا معنیٰ کب کفر ہوگا اور کب نہیں؟ آیات کے تناظر میں واضح کیجیے۔

جواب: جب تک بندے کو رب تعالی کے برابر نہ سمجھا جائے شرک نہیں ہو سکتا۔اور اللہ پاک کے سوا کسی کو واجب الوجود یا مستحق عبادت (کسی کو عبادت کے لائق) جاننا یعنی الوہیت میں دوسرے کو شریک کرنا اور یہ کفر کی سب سے بدترین قسم ہے۔ اس کے سوا کوئی بات کیسی ہی شدید کفر ہو حقیقہ شرک نہیں۔

سوال: مشرکین بتوں کو خدا کے یہاں سفارشی مان کر کافر ہوئے اور مسلمان صالحین کو شفیع مان کر مؤمن رہے ، اس کی وجہ بیان کیجیے۔

جواب: مشرکین، خدا کے دشمنوں یعنی خود ساختہ بتوں کو سفارشی اور وسیلہ سمجھتے تھے جو حقیقت میں ایسے نہیں تھے جبکہ مومنین اللہ کے محبوبوں کو شفیع اور وسیلہ سمجھتے ہیں جنہیں اللہ نے اس مقام پر فائز فرمایا ہے! لہذا وہ کافر ہوئے اور یہ مومن رہے۔ جیسے گنگا کے پانی، بت، ہولی، دیوالی، بنارس کی تعظیم شرک ہے مگر آب زمزم ، مقام ابراہیم ، ماہ رمضان ، محرم الحرام، مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ کی تعظیم عین ایمان ہے؛ حالانکہ زمزم اور گنگا جل دونوں ہی پانی ہیں ، سنگ اسود اور بت دونوں ہی پتھر ہیں لیکن پہلے کی تعظیم ایمان ہے اور دوسرے کی شرک، کیونکہ پہلے کی تعظیم مسلمان اپنی مرضی سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کے محبوب بندوں کے ساتھ نسبت کی وجہ سے کرتے ہیں جبکہ مشرک ایسی چیزوں کی تعظیم اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کے ساتھ نسبت قائم ہونے کی وجہ سے کرتے ہیں۔مشرک اپنے معبودوں کو خدا کے مقابل دھونس کا شفیع اور جبری وسیلہ مانتے تھے ، جبکہ مومن انبیائے کرام علیہم السلام اور اولیائے کرام رحمۃ اللہ علیہم کو محض بندہ سمجھتے ہوئے اعزازی طور پر خدا کے اذن وعطا سے شفیع یا وسیلہ مانتے ہیں۔ اذن اور مقابلہ ، ایمان و کفر کا معیار ہے۔

سوال: مشرکین اپنے بتوں کے لیے مافوق الاسباب امور ثابت کرتے ہیں اور مسلمان انبیا و اولیا کے لیے بطور معجزہ و کرامات یہ چیزیں ثابت مانتے ہیں لیکن وہ کافر ہیں اور یہ مؤمن ہیں، وجہ فرق کیا ہے؟

جواب: یہ شبہ بہ اذنِ الٰہی اور مقابلہ کا فرق فراموش کرنے اور قرآن کریم ہی کی دیگر آیات سے چشم پوشی کرنے کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ یادرکھیے! جب تک بندے کو رب تعالی کے برابر نہ سمجھا جائے شرک نہیں ہو سکتا۔ مشرکین عرب بتوں کو رب تعالیٰ کے مقابل ان صفتوں سے موصوف کرتے تھے تو مشرک ہو گئے۔ مومن رب تعالی کے اذن سے انہیں محض اللہ کا بندہ جان کر یہ صفات ان کے لیے مانتا ہے، لہذا وہ مومن ہی ہے۔ اللہ کے بندوں کے لیے یہ صفات قرآن کریم سے ثابت ہیں۔

سوال: عبادت کی تعریف کیجیے اور عبادت و عبودیت میں فرق واضح کیجیے۔

جواب: مکلف کا اپنے رب کی تعظیم کے لیے اپنی ذاتی خواہش کے خلاف کام کرنا عبادت ہے۔

عبودیت اظہار تذلل کو کہتے ہیں اور عبادت اظہار تذلیل کے اعلیٰ درجے کو کہا جاتا ہے اور اس کا مستحق وہی ہے جو انتہائی تعظیم کا مستحق ہو اور وہ اللہ ہے۔

سوال: عبادت اور تعظیم میں واضح فرق تحریر کیجیے اور بتائیے یہ فرق ملحوظ نہ رکھا جائے تو کیا خرابی لازم آئے گی؟

جواب: عبادت کی بنیاد کسی کو اللہ یعنی مستحق عبادت سمجھنے پر ہے جو انتہائی تعظیم یا انتہائی عاجزی کو مستلزم ہے، لہذا کسی کی ایسی تعظیم جو اس کو مستحق عبادت سمجھ کر نہ کی جائے، ہر گز عبادت نہیں ہو سکتی۔

کسی کو مستحق عبادت سمجھے بغیر اللہ کا بندہ مانتے ہوئے تعظیم کرنا اور اطاعت کرنا مثلاً نبی، ولی، باپ، استاد، پیر، حاکم اور بادشاہ کو بندہ سمجھتے ہوئے ان کی تعظیم کرنا اور اطاعت کرنا۔

سوال: عبادت کی بیان کردہ اقسام کی روشنی میں 10 لائنوں پر مضمون تحریر کیجیے۔

جواب: **عبادت کی دو بنیادی قسمیں بیان کی جائیں گی:**

(1) **بلاواسطہ عبادت**: وہ عبادت جس کا تعلق براہ راست رب تعالیٰ سے ہو، کسی بندے سے نہ ہو، مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوۃ اور جہاد وغیرہ کہ بندہ ان کاموں سے صرف رب تعالیٰ کو راضی کرنے کی نیت کرتا ہے، کسی بندے کی رضا کا اس میں کوئی دخل نہیں ہوتا۔

(2) **بالواسطہ عبادت**: وہ عبادت جس کا تعلق براہ راست رب تعالی سے نہ ہو، مثلاً والدین کی فرماں برداری، نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر درود شریف پڑھنا، اہل قرابت کے حقوق کی ادائیگی وغیرہ، یعنی کوئی بھی جائز کام جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی نیت سے کیا جائے تو وہ عبادت بن جاتا ہے اور اس پر ثواب ملتا ہے، حتی کہ جو اپنے

بیوی بچوں کو کما کر اس لیے کھلائے کہ یہ رسول اللہ کی سنت ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہوتا ہے تو یہ کمانا بھی عبادت ہے۔ بلکہ جو خدا کا رزق اس لیے کھائے کہ رب تعالیٰ کا حکم ہے " كُلُوا وَاشْرَبُوا ترجمہ : کھاؤ اور پیو اور یہ کھانا ادائے فرض کا ذریعہ بنے گا تو اس کا کھانا بھی عبادت ہے ، یہی وجہ ہے کہ مجاہد فی سبیل اللہ کا کھانا، پینا، سونا، جاگنا سب عبادت ہوتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر جان و مال قربان کرنا، آپ کی ولادت کی خوشی منانا، نعلین شریف کو بوسہ دینا، محفل نعت سجانا، بزرگان دین کے اعراس منانا اور ان کی قبروں پر پھول چڑھانا بھی حقیقت میں بالواسطہ عبادت ہی ہے کہ یہ سارے کام اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہی کیے جاتے ہیں۔

سوال: قرآن پاک میں ایک ہی عمل کہیں اللہ تعالیٰ اور مخلوق دونوں کے لیے مذکور ہوا ہے، جیسے سجدہ، تو ایسی آیات کو سمجھنے کا ضابطہ کیا ہے ؟

جواب: قرآن پاک میں جو عمل اللہ تعالیٰ کے لیے بیان کیا گیا ہو اور دوسری جگہ وہی عمل غیر خدا کے لیے مذکور ہو تو اللہ تعالیٰ کے لیے بیان کیا گیا عمل عبادت کے طور پر ہوگا اور غیر خدا کے لیے تعظیم کے طور پر ہو گا، مثلاً قرآن پاک میں فرشتوں کو حکم ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں تو اس سے سجدہ عبادت نہیں بلکہ سجدہ تعظیمی مراد ہے، اور جہاں غیر خدا کو سجدہ کرنے سے منع کیا گیا ہے وہاں سجدہ عبادت مراد ہے اس طرح کی بہت سی آیتوں میں سجدہ کرنے سے منع کیا گیا ہے بلکہ اسے کفر قرار دیا ہے۔ یاد رہے ! بندوں کو عبادت کا سجدہ نہ پہلے کسی امت میں جائز تھا، نہ اس امت میں جائز ہے بلکہ یہ ہمیشہ سے شرک ہے، البتہ سجدہ تعظیمی پچھلی امتوں میں جائز تھا، جبکہ اس امت میں یہ بھی حرام ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر کسی کو سجدہ تعظیمی کیا گیا تو وہ حرام کہلائے گا، شرک نہیں

سوال: مخلوق کے لیے مافوق الاسباب چیزوں پر قدرت ماننے سے شرک لازم کیوں نہیں آتا؟

جواب: یہ بھی غلط ہے، کیونکہ فرشتے مافوق الاسباب تصرف کرتے ہیں ، جان نکالتے ہیں ، ماں کے پیٹ میں بچہ بناتے ہیں، بارش برساتے ہیں اور عذاب الٰہی لاتے ہیں، ان کے لیے یہ قوت قرآن و سنت سے ثابت ہے ، تو کیا فرشتوں کی تعظیم کرنا ان کی عبادت ہو گا؟ یقینا نہیں۔اللہ کی عطا سے نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری فرمائے، چاند دو ٹکڑے کر دیا، ڈوبا ہوا سورج واپس بلالیا، درختوں اور جانوروں سے اپنی گواہی دلوائی۔ اسی طرح اللہ کی عطا سے حضرت عیسی علیہ السّلام نے مردے زندہ کیے ، اندھوں کو بینا کیا اور کوڑھ کے مریضوں کو اچھا کیا۔یہ سارے کام ما فوق الاسباب ہی ہیں اور یہ حضرات اس کی طاقت بھی رکھتے ہیں تو یقیناً ان کے لیے مافوق الاسباب تصرف کرنے کی طاقت مان کر تعظیم کرنا ہر گز عبادت نہیں ہو گا، کیونکہ یہ سب اللہ کے بندے ہیں اور مافوق الاسباب پر تصرف کی طاقت بھی انہیں اللہ کی طرف سے ہی ملی ہے ، اس کے اذن وارادے سے یہ حضرات تصرف فرماتے ہیں۔

سوال: لفظ دعا کا لغوی و اصطلاحی و معنی بیان کیجیے۔

جواب: دعا کا لغوی معنی پکارنا ہے اور اصطلاحی معنی عبادت ہے۔

سوال: لفظ دعا قرآن پاک میں کتنے اور کون کون سے معانی میں آیا ہے ؟ آیات بھی ذکر کیجیے۔

جواب: قرآن پاک میں دعا کا لفظ اپنے مشتقات کے ساتھ پانچ معنی میں مذکور ہوا ہے: (1) پکارنا (2) بلانا(3) مانگنا یا دعا کرنا(4) تمنا یا آرزو کرنا (5) پوجنا یعنی معبود سمجھ کر پکارنا۔

سوال: کلمہ دعا کا معنی عبادت '' اور ''ندا'' کب لیا جائے گا؟

جواب: قرآن کریم میں جہاں کہیں غیر خدا کو پکارنے سے منع فرمایا جائے یا پکار نے والوں کی برائی بیان ہو یا دعا کے بعد دشمن خدا کا ذکر ہو یا دعا کا فاعل کا فر ہو یا دعا پر اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا اظہار ہو یا دعا کرنے والوں کو کافر، مشرک یا گمراہ قرار دیا گیا ہو یا پھر اللہ تعالیٰ سے دعا کا ذکر ہو تو وہاں دعا سے معبود سمجھ کر پکارنا، پوجنا اور عبادت کر نامراد ہوگا نہ کہ محض ندا کرنا یا پکارنا۔جہاں غیر خدا کو پکارنے کا حکم ہے اس سے بلانا یا پکارنا ہی مراد ہوگا۔

سوال: غیر خدا کے نام پر پکارا ہوا جانور کب حرام ہو گا اور کب حلال ؟

جواب: جن آیات میں فرمایا گیا کہ "غیر خدا کے نام پر پکارا ہوا جانور حرام ہے '' وہاں ذبح کے وقت کسی کا نام پکار نامراد ہے جن آیات میں فرمایا گیا کہ غیر خدا کے نام پر پکارا ہوا جانور حرام نہیں ہے بلکہ حلال ہے وہاں زندگی کی حالت میں کسی کا نام پکار نامراد ہوتا ہے ، جیسے بتوں کے نام پر چھوڑا ہوا جانور ، زید کی بکری اور عبدالرحیم کی گائے وغیرہ

سوال: جن آیات میں دعا کو عبادت کے معنی میں لیا گیا ہے ، وہاں دعا کا لغوی معنی یعنی پکارنا ہی مقرر کیا جائے تو غیر خدا کو پکارنے کی ممانعت ہی ثابت ہوتی ہے جو حقیقت میں شرک ہے۔؟

جواب : اگر دعا کا معنی پکارنا ہی مقرر کر لیا جائے تب بھی ان آیات سے یہ ثابت نہیں ہو گا کہ غیر خدا کو پکارنا شرک ہے، کیونکہ پکارنے کی بہت سی نوعیتیں ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ کسی کو خدا سمجھ کر پکارا جائے''، ممانعت والی آیات کا یہی مطلب ہے کہ کسی کو خدا سمجھ کر پکارنا شرک ہے۔

سوال: کیا دور سے پکارنا یا مردوں کو یہ سمجھ کر پکارنا کہ وہ سنتے ہیں، شرک ہے ؟ اگر نہیں تو اس سے متعلق شبہات کی مفصل وضاحت کیجیے۔

جواب: قرآن پاک کی ان آیتوں میں دور و نزدیک کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ نیز یہ قید خود قرآن کی اپنی تفسیر کے بھی خلاف ہے، لہذامر دود ہے۔ ذرا غور کیجیے کہ اگر دور سے پکار ناشرک ہو تو بہت ساری مقدس ہستیوں پر شرک کا حکم لگے گا، مثلاً:

- ❖ مسلمانوں کے دوسرے خلیفہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ سے صحابی رسول حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ کو پکارا، حالانکہ وہ نہاوند میں تھے جو مدینہ منورہ سے ایک ماہ کی مسافت پر ہے۔
- ❖ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبۃ اللہ المشرفہ کی تعمیر کے بعد تمام دور کے لوگوں کو پکارا اور تمام روحوں نے جو قیامت تک پیدا ہونے والی تھیں انہوں نے سن لیا۔
- ❖ نمازی حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو نماز میں پکارتے ہیں: "اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ یعنی اے نبی! آپ پر سلام ہو" اگر اس کو شرک قرار دیا جائے تو نمازی کی نماز تو بعد میں ختم ہو گی، اس کا ایمان پہلے ختم ہو جائے گا۔
- ❖ شرک ہر حالت میں شرک ہوتا ہے، ایسا نہیں کہ مردہ کو پکارنا شرک ہو اور زندہ کو پکار نا ایمان کا حصہ! نیز فوت شدگان کو پکارنا کوئی اچھنبے کی بات بھی نہیں کہ اس کی کئی مثالیں موجود ہیں۔ چنانچہ ہمیں حکم ہے کہ قبرستان جا کر یوں سلام کریں: اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا أَهْلَ الْقُبُوْرِ وَيَغْفِرُ اللهُ لَنَا وَلَكُمْ أَنْتُمْ لَنَا سَلَفٌ وَنَحْنُ بِالْأَثَرِ یعنی اے قبر والو! تم پر سلام ہو، اللہ ہماری اور تمہاری مغفرت فرمائے، تم ہم سے پہلے پہنچے اور ہم تمہارے پیچھے آنے والے ہیں۔
- ❖ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ذبح شدہ پرندوں کو پکارا اور انہوں نے سن لیا۔
- ❖ حضرت صالح اور حضرت شعیب علیہ السلام نے قوم کو ان کی ہلاکت کے بعد اپکارا۔

﴾صَلُّوْا عَلَى الْحَبِيب! صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلٰى مُحَمَّد﴿

{ دوسرا باب انبیاء کرام علیہم السلام کے متعلق مسائل }

سوال: یہود و نصاری اور قادیانیوں کے کفر کی کیا وجہ بیان کی گئی ہے؟

جواب: یہودی اہل کتاب ہونے کے باوجود کلمۃ اللہ حضرت عیسی علیہ السلام اور سید الانبیا حضرت محمد مصطفے صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی نبوت کا انکار کرنے کی وجہ سے کافر ہیں، نصاری حضور سید عالم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی نبوت کے منکر ہونے کی وجہ سے کافر ہیں اور قادیانی چاہے وہ مرزائی ہوں یا لاہوری، وہ غلام احمد قادیانی کو نبی ماننے کی وجہ سے کافر ہیں

سوال: اولو العزم رسولوں کی تعداد اور نام ترتیب وار لکھیے۔

جواب: انبیائے کرام علیہم السلام کے مختلف درجات ہیں، بعض کو بعض پر فضیلت ہے اور سب سے افضل ہمارے آقا و مولیٰ سید المرسلین صلی اللہ علیہ والہ وسلم ہیں، آپ کے بعد سب سے بڑا مرتبہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا ہے، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام، پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور پھر حضرت نوح علیہ السلام کا ہے۔ ان حضرات کو مرسلین اولو العزم " کہتے ہیں ۔

سوال۔ انبیائے کرام کے مابین فرق کرنے یا نہ کرنے سے متعلق آیات کا ضابطہ تحریر کیجیے۔

جواب: ضابطہ نمبر 1 : جن آیات میں رسولوں کے درمیان فرق کرنے سے منع کیا گیا ہے وہاں تین باتوں میں سے کوئی ایک بات مراد ہو گی:

(1) ایمان میں فرق کر نامراد ہو گا۔

(2) اپنی ذاتی رائے سے فرق کر نامراد ہو گا۔

(3) توہین آمیز فرق کرنا مراد ہو گا۔

ضابطہ نمبر 2: جن آیات میں رسولوں کے درمیان فرق کا ذکر ہے وہاں درجات و مراتب کا فرق مراد ہے۔

سوال۔ حضرت یونس علیہ السلام اور حضور ﷺ کے فرامین سے متعلق شبہ اور اس کی مفصل توضیح بیان کیجیے

جواب:: ذیل میں علمائے ربانیین کے کلام کی روشنی میں مذکورہ شبہ کی توضیحات درج کی جارہی ہیں ملاحظہ کیجیے :

- حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا یہ فرمان تواضع و انکسار کی وجہ سے تھا اور اس سے تکبر و عجب کی نفی مقصود تھی۔
- حدیث کا مطلب یہ ہے کہ کسی نبی کی اس طرح فضیلت بیان کرنا منع ہے جس سے دیگر انبیا کی شان میں تنقیص کا شائبہ ہو۔

❖ قرآن پاک میں حضرت یونس علیہ السلام کے لیے اس طرح کے کلمات ذکر کیے گئے ہیں جن سے کسی جاہل کے دل میں ان کے مقام و مرتبے کی کمی کا خیال آسکتا ہے، اسی لیے حدیث میں حضرت یونس علیہ السّلام کا خاص ذکر کیا گیا ہے۔

سوال: ہدایت دینے یا گمراہ کرنے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اس کا کیا معنی ہوتا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ کے کسی بندے کو ہدایت دینے یا گمراہ کرنے کا یہی مطلب ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ فرمانے سے مجبور محض ہو کر ہدایت و گمراہی کا مستحق نہیں ہوتا بلکہ اس میں بندے کا اپنا دخل ہوتا ہے وہ حکیم مطلق محض بندے کے اختیار کو اپنے ارادے سے بر قرار رکھتا ہے اور اللہ تعالی کے اسی ارادے کو بنیاد بنا کر کہا جاتا ہے کہ اللہ نے ہدایت عطا فرمائی یا اللہ نے گمراہ فرمادیا۔ اگر اللہ تعالیٰ کا ارادہ اور مرضی نہ ہو تو کوئی شخص ہدایت نہیں پاسکتا۔

سوال: نبی اور قرآن کے ہدایت دینے اور نہ دینے سے متعلق آیات کو سمجھنے کا ضابطہ بتائیے۔

جواب: ضابطہ نمبر 1: جن آیات میں نبی کریم علیہ السلام کے ہدایت دینے کی نفی کی گئی ہے وہاں اللہ کی مرضی کے خلاف ہدایت دینا مراد ہے کہ کوئی اپنے اختیار سے گمراہی اختیار کرلے اور اللہ تعالیٰ بندے کے اختیار کو اپنے ارادے سے برقرار رکھے اور نبی کریم علیہ السلام اسے ہدایت دیں یہ نا ممکن ہے۔

ضابطہ نمبر 2: جن آیات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم یا قرآن پاک کے ہدایت دینے کا ذکر ہے وہاں اللہ تعالیٰ کے اذن سے ہدایت دینا مراد ہے۔

﴿صَلُّوْا عَلَي الْحَبِيب! صَلَّي اللهُ تَعَالٰي عَلٰي مُحَمَّد﴾